Rs. 15/-

ملت کا ترجمان

ماہنامہ

جام نور

دہلی

June 2008

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد — چراغ صد انجمن

معلومات ومشاہدات اور یادداشتوں کے جھروکوں سے ایک تاثراتی تحریر

کیا دہشت گردی کا عالمی مسئلہ نظر ثانی کا تقاضا کرتا ہے؟

مسلسل پروپیگنڈے کے تحت دہشت گردی کا رشتہ مسلمانوں سے جوڑ دیا گیا ہے، اس سوچ کے اندر کتنی سچائی ہے؟

مشرقی اقدار اور مغربی انداز نظر

کیا انفس وآفاق کے حقائق سے اسلامی ثقافت کی راہ ہموار ہو سکتی ہے؟

ہندوستانی معاشرہ اپنے ناعاقبت اندیش سیاسی ومذہبی لیڈروں کی رہنمائی میں اسلامائزیشن کے خوف سے اپنا مشرقی اقدار بھول رہا ہے

آخر ہم ان کی آنکھ کا کانٹا کیوں ہیں؟

مشمولات

خوشتر نورانی

اداریہ

مشرقی اقدار اور مغربی انداز نظر

کیا انفس و آفاق کے حقائق سے اسلامی ثقافت کی راہ ہموار ہو سکتی ہے؟

عیسائی مصنفہ کیرین آرمسٹرونگ (Karen Armstrong) کی عالمی شہرت یافتہ کتاب ''محمد - اے بائیوگرافی آف دی پرافٹ'' (Muhammad—A Biography of the Prophet) میں مصنفہ نے ضمنی طور پر ایک مشہور واقعہ نقل کیا ہے کہ چند جاپانیوں نے پہلی بار مغربی ممالک کا دورہ کیا، ان کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی کہ وہ جہاں جاتے وہاں کے مذہب کے بارے میں جاننے کی بھرپور کوشش کرتے، اس حیثیت سے انہوں نے عیسائی مذہب کو جاننے کے لیے بائبل کا مطالعہ کرنا شروع کیا، کافی مطالعہ کے بعد انہیں بڑی مایوسی ہوئی، جب وہ لوگ مطالعہ کے ساتھ دورہ کرتے ہوئے امریکہ پہنچے تو ان کی ملاقات ایک بہت بڑے عیسائی اسکالر سے ہوئی تو انہوں اس سے عیسائی مذہب کے تعلق سے اپنی مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہزار کوششوں کے باوجود وہ بائبل میں کسی مذہب کو نہ پا سکے- یہ سن کر وہ بڑا متعجب ہوا اور جو جواب دیا وہ وسیع تناظر میں غور و فکر کا متقاضی ہے:

Unless one approached these scriptures in a particular frame of mind, it was indeed difficult to find anything religious or transcendent in its account of the history of the ancient Jewish People (P:49)

''جب تک کوئی ان الہامی کتابوں کو ایک خاص زاویہ نظر سے نہیں پڑھتا، اس کے لیے واقعتاً یہ ایک مشکل ترین مسئلہ ہے کہ وہ قدیم یہودیوں کی تاریخ کو سمجھنے میں کوئی مذہبی یا ماورائی چیز کو پا سکے-''

لیکن قرآن اپنی حقانیت کو منوانے کے لیے کسی خاص زاویہ نظر (Frame of Mind) کے ساتھ اپنے آپ کو مطالعہ کرنے کی بات نہیں کرتا بلکہ وہ نہایت اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ: سنریهم أيتنا فى الافاق وفى انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق عنقریب ہم کائنات اور خود ان کے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ حق وہی (قرآن) ہے-

دراصل یہ اعتماد حق کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے، خواہ انسان کسی بھی زاویہ نظر سے پڑھے فطرت کے مظاہر خود اس کی اہمیت و معنویت کو تسلیم کروا لیتے ہیں- پچھلی ایک دہائی سے اسلام کے خلاف مشرق و مغرب میں جو فضا قائم ہوئی ہے وہ اسی ''ایک خاص زاویہ نظر سے مطالعے'' کا نتیجہ ہے- اسی زاویہ نظر نے اسلام کے بہت سے مسائل کے ساتھ خصوصاً مسلم خواتین کے مسائل کو بھی نشانہ بنایا ہے- کیونکہ جب یہ زاویہ نظر مثبت ہوتا ہے تو بائبل میں محاسن و معارف کے جلوے دکھاتا ہے اور جب یہی منفی ہوتا ہے تو اسلامی اصول و ضوابط میں معائب تلاش کرتا ہے کہ ان میں شدت ہے، عورتوں کے حقوق کی پامالی ہے، تنگ نظری ہے اور استحصال ہے-

مغربی دنیا اور ساؤتھ ایسٹ ایشیا میں بالخصوص ہندوستان کا عجیب معاملہ ہے کہ یہاں ایک طرف مسلم خواتین کے پردے، تعدد ازدواج اور خواتین کی امامت کے مسئلے کو لے کر آئے دن آوازیں اٹھائی جاتی ہیں کہ اسلامی قوانین میں ترمیم و تنسیخ کی جائے، دوسری طرف یہی ممالک خواتین سے متعلق جرائم کے انسداد کے لیے آج تک کوئی جامع فارمولہ پیش نہیں کر سکے ہیں، عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، خواتین کے ڈریس کوڈ کا معاملہ طول پکڑتا جا رہا ہے، Female Foetus کو ضائع کرنے کا مسئلہ ہندو معاشرے میں ختم ہوتا نہیں دکھ رہا ہے، کارپوریٹ سیکٹر میں ملازمت کے عوض عورتوں کا جسمانی استحصال فیشن بن گیا ہے اور فلم انڈسٹری میں گلیمرس لائف کے بدلے نئی لڑکیوں کے ساتھ کاسٹنگ کاؤچ کے مسئلے نے ان کے تحفظ پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے- جبکہ مسلم خواتین کا ایک بڑا طبقہ ان مذکورہ جرائم سے اب بھی محفوظ ہے-

فکر و نظر میں بنیادی فرق: -دراصل مسلم خواتین کے تحفظ کی بنیادی وجہ وہ فکر ہے جو مسلم اور غیر مسلم معاشرے کے درمیان خط فاصل کھینچتی

ہے۔ اسلام کی فکر یہ ہے کہ اگر جرائم کا خاتمہ کرنا ہے تو ان اسباب کا خاتمہ کردو جن کے ذریعے جرائم وجود پاتے ہیں۔ جبکہ میڈیا سے لے کر حکومت اور عام آدمی کی سوچ یہ ہے کہ مجرمین کی سزا اتنی سخت کردو کہ وہ جرم کرنے سے قبل اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ جرائم کے تعلق سے فکر ونظر کے اسی فرق نے مسلم معاشرے کو نسبتاً دوسرے معاشروں کے محفوظ کر رکھا ہے۔

زنا بالجبر کے واقعات پر اگر غور کیا جائے تو اس کے چند بنیادی اسباب ہیں:

(۱) نیم عریاں لباس (۲) ذہنوں کو برانگیختہ کرنے والے لباس (۳) بے پردگی (۴) مخلوط طرز زندگی (۵) اور فحاشی۔ اسلام ان تمام اسباب پر پابندی عائد کرتا ہے تا کہ جرم کو سر ابھارنے کا موقع نہ مل سکے، اس کے بعد اگر کوئی زنا جیسے جرم عظیم کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اس کے لیے سزا کا اعلان کرتا ہے۔

اس کے برخلاف آج میڈیا، حکومتیں اور آزاد قماش مفکرین ان اسباب پر پابندی کو حقوق نسواں کا استحصال قرار دیتے ہیں اور عورتوں کی عزت و ناموس کے ساتھ کھیلنے والوں کے لیے سخت تعزیر کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل واضح ہے کہ جس طرح غریبوں کو ختم کرنے سے غربت کا انسداد نہیں ہو جاتا، اسی طرح مجرمین کے خاتمے کے لیے صرف سزائیں مقرر کیے جانے سے جرائم کا خاتمہ ممکن نہیں، ان دونوں کے انسداد کے لیے پہلے ان کے اسباب وعوامل پر غور کرنا چاہیے اور پھر ان کے خاتمے کی کوشش کرنی چاہیے جن کے ذریعے معاشرے میں مجرمین کا وجود بڑھتا جا رہا ہے۔

مڈل کلاس مسلم معاشرے نے اسلامی اصول وضوابط کی روشنی میں جس قدر ان مذکورہ اسباب پر پابندی عائد کی انہیں اسی قدر تحفظ فراہم ہوتا گیا۔

ایک مثال: ۔ چند ماہ قبل ایک ٹیلی ویژن چینل نے بازار میں گھومنے والے مردوں کا خفیہ کیمرے کے ذریعے اسٹنگ آپریشن کیا، انہوں نے پہلے ایک خوبصورت لڑکی کو نیم عریاں اور برانگیختہ کرنے والا لباس پہنایا، اس کا زبردست میک آپ کیا اور اسے ممبئی کے ایک بارونق اور بھیڑ بھاڑ والے بازار میں کھڑا کر دیا، اب مردوں کی غلط نگاہ اس کی طرف اٹھنا شروع ہوگئی، ہر شخص بری نظروں سے اسے گھور رہا تھا، گھورنے والوں میں جوان سے لے کر بوڑھے تک تھے، کتنے منچلوں نے تو اس پر گندے فقرے بھی کس دیے، یہ تمام مناظر چینل کا ایک خفیہ کیمرہ قید کر رہا تھا۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد ہی ان لوگوں نے اسی لڑکی کا گیٹ اپ بدل دیا اور اسے سلیقے سے شلوار اور قمیص پہنایا، میک اپ بھی قدرے ہٹا دیا گیا اور اسی جگہ اسے دوبارہ کھڑا کر دیا گیا، کافی دیر اسی جگہ کھڑے رہنے کے باوجود نہ تو اس پر کوئی غلط نگاہ ڈالنے والا تھا اور نہ اس پر جملے کسنے والا۔ ان مناظر کے ساتھ ساتھ ٹیلی ویژن پر کمنٹری بھی کی جا رہی تھی کہ آج کل مردوں کی نظریں کتنی اوچھی اور غلط ہو گئی ہیں، عورتوں کا اب آزادانہ پہننا اوڑھنا مشکل ہو گیا ہے، معاشرہ کہاں جا رہا ہے، عورتیں اب محفوظ نہیں وغیرہ۔

میری نظر میں یہاں ایک صحیح واقعے سے غلط نتیجہ اخذ کیا گیا، اس واقعے سے صحیح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسباب کی فراہمی ایسے واقعات کو جنم دیتی ہے جبکہ اسباب کے خاتمے سے جرائم کے امکانات ختم نہیں تو کم سے کم تر ضرور ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے ایسے لباس، بے پردگی اور مخلوط طرز زندگی کی ممانعت اس لیے وارد کی تاکہ عورتوں کی پاک دامنی پر حرف نہ آسکے، ان کی عصمت پر کوئی بری نگاہ نہ ڈال سکے اور سر عام انہیں کوئی رسوا نہ کر سکے، جبکہ موجودہ میڈیا اور فیشن ایبل معاشرہ ان اسباب کی حمایت کر کے نہ صرف عورتوں کی عصمت کو سر عام نیلام کر رہا ہے بلکہ جرائم کے اضافے کا باعث بھی بن رہا ہے۔

ایسے میں یہاں ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ پھر وہ ممالک جہاں ہندوستان سے زیادہ عریانیت عام ہے وہاں کثرت سے عورتوں کے ساتھ ایسے واقعات کیوں نہیں پیش آتے؟ اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ مشرقی تہذیب میں جسے عورت کی عفت وعصمت کہہ کر اس کی حفاظت کے سو جتن کیے جاتے ہیں، مغربی تہذیب کا مادر پدر آزاد معاشرہ اسے چائے کی ایک پیالی سے زیادہ نہیں سمجھتا، ظاہر ہے جہاں عورت سے اختلاط اس قدر آسان ہو وہاں زور زبردستی چہ معنی دارد؟ مسئلہ تو اس وقت کھڑا ہوتا ہے جب گنگا کے ساتھ ٹیمس ندی کو بھی بہانے کی کوشش کی جائے۔

ہندو معاشرہ ہو یا مسلم معاشرہ مشرقی تہذیب واقدار مرد وعورت کے آزادانہ اختلاط اور عریانیت کی نفی کرتے ہیں، اب اگر ایسی صورت میں جہاں مشرقی تہذیب کے پاس ولحاظ کا خیال بھی ہو اور مغربی تہذیب کی چکا چوند میں گرفتار ہو کر عریانیت، بے پردگی اور مخلوط طرز زندگی کی حمایت بھی

تو پھر ایسے تضاد و نفاق پر مشتمل معاشرے سے عورتوں کا جسمانی اور ذہنی استحصال تصور سے بعید نہیں ہونا چاہیے۔

معاشرتی زوال کے باوجود آج بھی مسلم ممالک میں عورتیں صرف اس لیے محفوظ ہیں کہ وہاں عریانیت اور فحاشی نے ظاہری طور پر ابھی اپنے پاؤں پوری طرح نہیں پسارے ہیں، زندگی کے بہت سے شعبوں میں مغربی تہذیب سے وابستگی کے باوجود وہ ابھی اتنی ہمت نہیں کر پائے ہیں کہ اپنے قومی اور مذہبی شعار و لباس کو اپنے بدن سے نوچ کر پھینک سکیں۔ مگر پچھلی دو دہائیوں سے ہندوستانی معاشرہ اپنے ناعاقبت اندیش سیاسی و مذہبی لیڈروں کی رہنمائی میں اسلامائزیشن کے خوف سے اپنا مشرقی اقدار بھول رہا ہے، اس لیے آج ہر روز ہماری نظروں کے سامنے ایسی خبریں ہوتی ہیں جہاں ۳ رسال کی بچی سے لے کر ۵۰ سال کی خاتون تک کی عصمتیں تار تار ہو رہی ہیں۔

عورت کا تحفظ یا استحصال؟:۔ یکم مئی ۲۰۰۸ء کو ٹائمس آف انڈیا میں ایک خبر آئی کہ ''سلمان رشدی شادی کو ضروری نہیں سمجھتے'' "Rushdie no longer finds marriage necessary"(P:21) رشدی نے چار شادیاں کی ہیں، رشدی کی پہلی شادی 1976ء سے 1987ء تک رہی، دوسری 1983ء سے 1993ء تک، تیسری 1997ء سے 2004ء تک جبکہ چوتھی 2004ء سے جولائی 2007ء تک، چار چار شادیاں رچانے کے بعد بھی اس کے نزدیک عورتوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے شادی غیر ضروری عمل ہے، پھر اس نے ایسا کیوں کیا؟ رشدی کا بیان ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں شادی کا جوڑا پہننا چاہتی ہیں۔ Girls just wants to wear a wedding dress.

اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ رشدی کے نزدیک عورت کی حیثیت "Use & Throw" سے زیادہ نہیں۔ فکر و نظر کا یہ بھی عجیب دھوکہ ہے کہ عورت کی اس حیثیت کی طرفداری ملکی و بین الاقوامی میڈیا بھی کرتا ہے، حکومتیں بھی اور غیر مسلم معاشرہ بھی، اور حیرت تو یہ ہے کہ اس حیثیت کو وہ عورت کی آزادی سے تعبیر کرتے ہیں اور تعدد ازدواج کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت اسی لیے دی تاکہ معاشرے سے فحاشی، عریانیت اور بدکرداری کا خاتمہ کیا جائے، اگر کسی شخص کی جنسی ضرورتیں ایک سے پوری نہیں ہوتیں تو اس کے ساتھ دو، تین یا چار شادیاں کر سکتا ہے، مگر اس لازمی شرط کے ساتھ کہ وہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کر سکے، انہیں یکساں پیار و محبت دے سکے، ان کی زندگی کی ضرورتیں پوری کر سکے، اگر کوئی ان شرطوں کو پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو پھر اسے اجازت نہیں۔ تعدد ازدواج میں سراسر عورتوں کا ہی فائدہ ہے کہ اس کا شوہر قانونی، مذہبی اور سماجی طور پر پابند ہو جاتا کہ وہ اس کی عزت و کفالت کرے، اسے محبت و وقار دے، برخلاف وہ طریقہ جس کی ترغیب رشدی جیسے لوگ دیتے ہیں اور میڈیا و معاشرہ جن کی حمایت کرتا ہے، وہ عورتوں کے ساتھ صرف جنسی استحصال ہے نہ کہ ان کے حقوق کی پاسداری اور آزادی۔ میرے نزدیک ایک عورت کی ایسی زندگی اس طوائف کی زندگی سے مختلف نہیں جو بازار میں اپنا جسم بیچتی ہے، اس طرز زندگی کو عزت و وقار میں اگر کوئی رشتہ تبدیل کرتا ہے تو وہ ہے شادی کا۔

اسلام نے عورتوں کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت دے کر یہاں بھی ان اسباب کا انسداد کر دیا جن سے زنا، فحاشی، عریانیت اور بدکرداری کو معاشرے میں فروغ ملتا تھا اور ساتھ ہی عورتوں کی عصمت و عزت کے تحفظ کا سامان بھی کر دیا کہ انہیں کوئی بازار میں بکنے والی شئی نہ سمجھے۔ حیرت ہے کہ حکومتیں عورتوں کو اپنا جسم بیچنے کے لیے انہیں لائسنس دینے کو تیار ہیں، میڈیا اور غیر مسلم معاشرہ عورت کی اس طرز زندگی پر راضی ہے مگر عزت کے ساتھ عورت کو نکاح کر کے اپنے حرم سرا میں داخل کرنے کو تیار نہیں، میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ ان کا تحفظ ہے یا استحصال؟

اعتراف حقیقت:۔ اسلام نے واضح طور پر کہا ہے کہ کائنات میں اور خود ان کے اندر ہم اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور انہیں اعتراف کرنا ہوگا کہ حق وہی ہے۔ یہاں نشانیوں سے قرآن کا مطلوب صرف مادی اشیاء کا ظہور نہیں ہے بلکہ ہر اس شئی کا ظہور ہے جس سے حق کی طرف رہنمائی ہو۔ اس حیثیت سے دیکھیں تو آج پوری دنیا میں اسلامی نظریات اور اسلامائزیشن کے خلاف تحریکیں چل رہی ہیں مگر اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ قدم قدم پر انہیں سیاسی، فکری، سائنسی اور معاشرتی بحران کو دور کرنے کے لیے اسلامی نظریات کی طرف مجبوراً لوٹنا پڑ رہا ہے، وہ یہ اعتراف اگرچہ نہ کریں کہ حق وہی ہے جس کی طرف اسلام نے رہنمائی کی ہے مگر وہ اسی نظریے اور تھیوری کو اپنانے پر مجبور ہیں جسے صدیوں پہلے اسلام نے پیش کیا تھا۔

اس کی تازہ مثال ہندوستانی یونیورسٹیز میں اٹھنے والا ڈریس کوڈ کا مسئلہ ہے۔ ہندوستانی یونیورسٹیز میں پچھلے چند سالوں سے لڑکیوں کے ساتھ زنا، چھیڑ چھاڑ اور زور زبردستی کے واقعات میں کافی اضافہ ہوا ہے، پہلے پہل تو ان اداروں کے ذمہ داران نے ان واقعات کی روک تھام کے لیے بہت سے قوانین بنائے اور انہیں نافذ کرنے کی کوشش کی، مگر سارے قوانین فلاپ ہو گئے اور پھر آخر میں ہندوستان کی تین یونیورسٹیز نے طالبات پر ڈریس کوڈ نافذ کرنے کا فیصلہ کیا اور اسلامی تھیوری کا اعتراف اس طرح کیا گیا:

The dress code will protect women from violent crime. Bomboy Univeristy plans to ban women from wearing mini skirts, tight tops and shorts, saying this will help prevent rape. Officials at the university say they would prefer to see women students in a traditional Salwar-Kameez with no deep neck line.

''ڈریس کوڈ عورتوں کو جرائم سے محفوظ رکھیں گے۔ ممبئی یونیورسٹی لڑکیوں کو منی اسکرٹ، چست اور مختصر لباس پر پابندی عائد کرنے کا ارادہ کر رہا ہے کہ یہ پابندی انہیں زنا سے محفوظ رکھے گی۔ یونیورسٹی کے ذمہ داران کہتے ہیں کہ وہ لڑکیوں کو ایسے روایتی شلوار اور قمیص میں دیکھنا چاہتے ہیں جس کا گلا بھی بہت بڑا نہ ہو''۔

حالانکہ اس ڈریس کوڈ کی چند لوگوں نے مخالفت بھی کی، ان مخالفین میں زیادہ تعداد انہی لوگوں کی تھی جنہیں ہندوستان میں غیر شعوری طور پر اسلامائزیشن کے نفاذ کا خطرہ تھا۔

اسلامائزیشن کی بنیاد پر حقائق کا اعتراف نہ ہو، اسلام کا مطالعہ کسی بھی زاویے نظر سے کیا جائے مگر آفاق وانفاس میں قدم قدم پر حق کی علامتیں ظاہر ہو رہی ہیں، جہاں انسانیت کو اسلامی تھیوری کی طرف پلٹنے کے سوا اور کوئی صورت نہیں دکھتی۔ عورتوں کے مسائل نہایت حساس اور نازک ہیں، ان میں مسلم اور غیر مسلم معاشرے کی تخصیص نہیں، اگر مسلم معاشرہ بھی اپنے مذہبی اقدار کی پاسداری میں تامل کرتا ہے تو وہ بھی ان جرائم سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ آج مغربی معاشرہ خواہ ظاہری طور پر کتنا بھی آزادی نسواں کا علمبردار بنا رہے مگر اندرونی سطح پر آزادی کے بھیانک نتائج اسے بھگتنے پڑ رہے ہیں اور اچھی اور پرسکون معاشرتی زندگی کے لیے وہ ہر پل تڑپ رہا ہے۔□□□

پاکستان میں ماہنامہ جام نور کے نمائندے

پاکستان میں ماہنامہ ''جام نور'' کراچی و لاہور کے حسب ذیل نمائندوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے

نمائندہ کراچی: حافظ مصطفیٰ سرور اعظمی

مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ، گاڑی کھاتا، کراچی (پاکستان)

Ph:-009221-2216464-2627897Mob:03002212590

نمائندہ لاہور پیرزادہ مولانا اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ'' گنج بخش روڈ لاہور (پاکستان) Ph:-0092-42-7469718 (Off) 2627897-2216464

نوٹ:۔ آپ کو ملنے والے رسالے کے لفافے پر (پتے کے اوپر) اس شکل میں 3040/Jan-06-Dec.07 آپ کی ممبری فیس کی مدت لکھی ہوئی ہے، براہ کرم رسالہ پڑھنے سے قبل اسے دیکھ لیں، اگر آپ کی ممبری فیس ختم ہو گئی ہو تو اولین فرصت میں تجدید کرا لیں، ورنہ ہم آپ کو رسالہ بھیجنے سے معذور ہوں گے۔ **ادارہ**

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ☆

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون

ایک تحقیقی مطالعہ

علمی حلقوں میں کشف الظنون یا اس کے مؤلف حاجی خلیفہ کا نام اجنبی نہیں ہے۔ یہ کتاب گیارہویں صدی ہجری (۱۷ویں صدی عیسوی) کے وسط میں تالیف کی گئی تھی۔ جیسا کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب مختلف علوم وفنون کی تعریف اور ان پر لکھی جانے والی مختلف کتابوں کے تعارف وتذکرے پر مشتمل ہے، اس موضوع پر لکھی جانے والی اگرچہ یہ پہلی اور آخری کتاب نہیں ہے اس کی تالیف سے پہلے بھی اہل علم نے اس موضوع پر داد تحقیق دی ہے اور اس کے بعد بھی اس موضوع پر کافی کچھ لکھا گیا ہے، کشف الظنون طبع چہارم کے ناشرین نے اپنے مقدمہ میں ان کتب کا ذکر کیا ہے جو کشف الظنون سے قبل اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ لیکن اپنی بعض علمی وفنی خصوصیات کے سبب کشف الظنون کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسی امتیازی خصوصیت کے سبب اہل علم وتحقیق نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی تالیف کے فوراً بعد ہی سے اس پر تحقیقی کام کا آغاز ہوگیا تھا۔ جس کے نتیجے میں عالمی زبانوں میں اس کے ترجمے، اس کے ذیول، اس کی شروحات، اور اس کے مختصرات منظر عام پر آئے۔

کشف الظنون طبع چہارم کے ناشرین کے اعداد وشمار پر اعتماد کیا جائے تو یہ کتاب ۳۰۰ علوم کی تعریف، پندرہ ہزار کتب کے تعارف، اور نو ہزار پانچ سو مصنفین کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ زیر نظر مقالے میں ہم اس اہم کتاب کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی فنی خصوصیات، اس کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں، اس کے ترجمے، اور مختصرات سمیت مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ کتاب کے تعارف سے قبل صاحب کتاب کی سیرت وشخصیت پر بھی ایک سرسری نظر ڈالتے چلیں۔

مختصر سوانح مصنف: ۔کشف الظنون کے مؤلف کا اصل نام مصطفیٰ بن عبداللہ ہے، حاجی خلیفہ یا کاتب چلپی کے نام سے علمی حلقوں میں مشہور ہیں۔ حاجی خلیفہ کی ولادت ۱۰۱۷ ہجری مطابق ۱۶۰۸ عیسوی میں استنبول (ترکی) میں ہوئی، اور وفات بھی اسی شہر میں ۱۰۶۷ ہجری مطابق ۱۶۵۶ عیسوی میں ہوئی (۱)۔ سرکیس یوسف الیان نے حاجی خلیفہ کا سن ولادت ۱۰۰۴ھ لکھا ہے (۲) اور ایڈورڈ فنڈک نے سال وفات ۱۰۶۸ تحریر کیا ہے (۳) یہ دونوں خلاف تحقیق ہیں۔

حاجی خلیفہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی پانچ سال اپنے والد کی زیر سرپرستی گزارے، جو دربار سلطانی میں ایک معزز عہدے پر فائز تھے، مؤرخین کے مطابق ان کے والد شیخ عبداللہ عبادت گذار، ایمان دار اور علماء ومشائخ کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے، حاجی خلیفہ کی علمی اور عملی زندگی پر ان کے والد کی حسن پرورش اور عمدہ تربیت کا گہرا اثر تھا۔

تعلیم: ۔حاجی خلیفہ کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو ان کے والد نے ان کو امام عیسیٰ خلیفۃ القریمی کے سپرد کردیا، یہ حاجی خلیفہ کی پہلی درسگاہ تھی، اس کے بعد انہوں نے مختلف اساتذہ سے کسب علم کیا، یہاں ہم ان کے مختلف تعلیمی ادوار کی تفصیل میں جائے بغیر صرف ان اساتذہ ومشائخ کے نام درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن سے انہوں نے مختلف اوقات میں اخذ علم کیا۔

(۱) الیاس خواجہ: ان سے ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔
(۲) احمد چلپی خطاط: ان سے فن خطاطی کی تحصیل کی۔
(۳) الشیخ محمد بن مصطفیٰ معروف بہ قاضی زادہ حنفی (م ۱۰۴۴ھ)
(۴) علامہ قاضی مصطفیٰ الاعرج (م ۱۰۶۳ھ)
(۵) الشیخ عبداللہ کردی (م ۱۰۶۴ھ)
(۶) الشیخ محمد البانی (م ۱۰۵۴ھ)
(۷) الشیخ ولی الدین الواعظ (م ۱۰۶۵ھ) (۴)

درس وتدریس اور مطالعہ: ۔حاجی خلیفہ اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہو کر تقریباً ۱۰۵۴ھ میں تدریس کی طرف متوجہ ہوئے، اور دس برس تک نہایت انہماک اور دلچسپی سے طلبہ کو درس دیا، مؤرخین کے بقول اس

☆Madrasa Alia Quadria, Molvi Mohalla, Budaun (U.P.) E-mail:qadriusaid@yahoo.com

دوران وہ نہایت گہرائی سے مطالعہ کرتے اور بعض اوقات رات رات بھر مطالعہ میں منہمک رہتے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی، ان برسوں میں ان سے کثیر تعداد میں طلبہ نے استفادہ کیا، مرعشی نے اپنے مقدمے میں ان کے تین قابل ذکر مستفیدین کا ذکر کیا ہے۔

(۱) حاجی خلیفہ کے صاحبزادے فخر الدین محمد چلپی (م ۱۱۴۰ھ)

(۲) علامہ محی الدین برساوی (م ۱۱۳۰ھ)

(۳) ملا محمد نعیم الشاعر (م ۱۱۲۵ھ)

تصنیف وتالیف:- حاجی خلیفہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور فطری ذوق وذہانت کے نتیجے میں تصانیف کا ایک قابل قدر ذخیرہ چھوڑا، تفسیر، فقہ، ادب، فلکیات، اور تصوف وسلوک سمیت انہوں نے ایک درجن علوم وفنون میں ۳۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، جن میں عربی، فارسی، اور ترکی ہر سہ زبانوں میں کتب شامل ہیں۔ ان کی تصانیف میں کشف الظنون جیسی اہم کتاب کے علاوہ تفسیر بیضاوی کی تعلیق، فقہ حنفی میں الالهام المقدس من الفيض الاقدس، تصوف وسلوک میں ميزان الحق فی اختيار الاحق (ترکی) ادب میں تحفة الاخيار فی الحكم والامثال والاشعار، تاریخ میں تاریخ قدیہ، تقويم التواريخ، تحفة الكبار، سلم الوصول، جغرافیہ میں جہاں نما، لوامع النور فی اطلس مینور، اور ترکی وفارسی کے دواوین شعری قابل ذکر ہیں۔ (۵)

حاجی خلیفہ نے عراق وشام سمیت کئی ممالک کا سفر کیا، ۱۰۴۶ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرور ہوئے، ترک افواج اور دربار سلطانی میں مختلف حیثیتوں سے متعلق رہے، ایک مرتبہ جنگ میں بھی شرکت کی۔

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون:- حاجی خلیفہ اپنی ترکی زبان کی کتاب "میزان الحق" میں لکھتے ہیں:

"حلب کے دوران قیام مجھے یہ خیال آیا کہ ایک کتاب میں کتب اور مصنفین کے اسما جمع کیے جائیں، یہ خیال آتے ہی میں نے اسی وقت سے کام کا آغاز کر دیا، پھر جب میں استنبول آیا تو مجھے ایک عزیز کے ورثے سے کافی دولت ملی، جس سے میں نے کتب خریدیں، اس کے بعد میرے اندر کام کرنے کا ایک نیا جذبہ اور حوصلہ پیدا ہوا، ۱۰۴۸ھ میں میرے ایک اور تاجر رشتہ دار کی وفات ہوئی، ان کے ورثے سے بھی مجھے کافی دولت ملی، جس کے سبب مجھے معاشی معاملات میں فارغ البالی حاصل ہوئی، نیز اس دولت کا ایک بڑا حصہ میں نے کتب کے حصول میں صرف کیا، گذشتہ بیس برس میں میں نے جو کتب حلب اور استنبول کے کتب خانوں میں دیکھی تھیں، نیز دیگر کتب طبقات وتراجم سے میں نے اپنی اس کتاب کی جمع وترتیب میں مدد لی"۔ (۶)

طبع چہارم کے ناشرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب ۱۰۶۳ھ کے آس پاس پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ کشف الظنون میں علوم وفنون اور کتب کی ترتیب کے سلسلہ میں حروف تہجی کا اعتبار کیا گیا ہے، ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ کے بقول "کشف الظنون کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے جس کی وجہ سے وہ سابقہ کتب میں منفرد اور ممتاز نظر آتی ہے، اور بعد کے لوگوں نے اس معاملے میں اس کی تقلید کی ہے" (۷)

کشف الظنون کی خصوصیات یا امتیازات کی درجہ بندی ہم درج ذیل تین عنوانات میں کر سکتے ہیں۔ (الف) علمی اور تاریخی مباحث (ب) باعتبار تذکرۂ کتب (ج) باعتبار تذکرۂ مصنفین۔

علمی اور تاریخی مباحث:- کتب اور علوم کی تعریفات سے قبل مؤلف نے ایک طویل اور وقیع مقدمہ تحریر کیا ہے، جس کو انہوں نے "المقدمة في احوال العلم" کے نام سے موسوم کیا ہے، یہ مقدمہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر باب میں متعدد فصلیں ہیں، ان ابواب وفصول میں علم کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر نہایت عمدہ اور گراں قدر مباحث معرض تحریر میں لائے گئے ہیں، یہاں ان ابواب اور فصول پر ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے تاکہ مقدمہ کی اہمیت اور وقعت کا اندازہ لگایا جا سکے۔

الباب الاول فی تعريف العلم وتقسيمه - یہ باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے، جن کی ترتیب حسب ذیل ہے (۱) علم کی ماہیت (۲) علم کی ماہیت میں اہل علم کا اختلاف (۳) علم مدون، اس کا موضوع، اس کے مبادی، اس کے مسائل، اس کی غایت (۴) علوم کی تقسیم اور اس کی اقسام کا اجمالی تعارف (۵) علم کے مراتب اور اس کی فضیلت وشرف۔

الباب الثانی فی منشأ العلوم والكتب یہ باب مندرجہ ذیل تین فصلوں پر مشتمل ہے (۱) علم کی نشو ونما کے اسباب (۲) کتب سماویہ کے نزول کا سبب اور اس بارے میں لوگوں کا اختلاف (۳) اہل اسلام اور ان کے علوم۔

الباب الثالث فی المؤلفين والمؤلفات - یہ باب بھی

نہایت قیمتی ہے اور تین ترشیحات پر مبنی ہے (۱) پہلی ترشیح تدوین اور مدونات کی اقسام کے بیان میں (۲) دوسری ترشیح میں کسی کتاب کی شرح اور شرح کی حاجت بیان کی ہے ساتھ ہی شروح کی اقسام بھی بیان کی ہیں (۳) تیسری اور آخری ترشیح میں مصنفین کے اقسام اور ان کے احوال سے بحث کی ہے۔

الباب الرابع فی فوائد المنثورة من ابواب العلم - یہ باب دس مناظر پر مشتمل ہے اور ہر منظر میں متعدد فتوحات ہیں۔ مناظر کی تفصیل علی الترتیب حسب ذیل ہے۔ (۱) علوم اسلامیہ (۲) اسلامی علوم کے حاملین اکثر اہل عجم ہیں (۳) علم بھی ایک حرفہ ہے (۴) طلب علم میں سفر (۵) علوم کے موانع اور عوائق (۶) قوت حافظہ ملکۂ علمیہ کے علاوہ ایک الگ چیز ہے (۷) تحصیل علم کے شرائط اور اس کے اسباب (۸) افادہ کی شرائط اور نشر علم (۹) اہل علم میں جو اوصاف ضروری ہیں ان کا بیان (۱۰) تعلم کے بیان میں۔

الباب الخامس فی لواحق المقدمة من الفوائد۔ اس آخری باب میں چند مطالب ہیں جن میں حسب ذیل مطلب شامل ہیں (۱) علوم عربیہ (۲) علوم لسان عربی (۳) ادبیات (۴) علوم کے اسماء (۵) بعض علوم کا موضوع متعین نہ ہونے کی وجہ۔ اس کے بعد ''خاتمہ'' کے عنوان سے مختصراً یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے علم کی یہ تفصیلات کیوں قلم بند کی ہیں۔

تذکرۂ کتب کی خصوصیات:- ہم نے پہلے ذکر کیا تھا کہ کشف الظنون پندرہ ہزار کتب کے تذکرے پر مشتمل ہے، حاجی خلیفہ نے کسی کتاب کے ذکر میں جن خاص امور کا لحاظ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں (۸)۔

(۱) کتاب کے نام میں اگر لغوی اعتبار سے کوئی ابہام ہے تو اس کو دور کیا ہے، مثلاً امام جلال الدین سیوطی کے رسالہ ''**اتحاف الفرقة برفو الخرقة**'' کے بارے وضاحت کرتے ہیں کہ ''**الرفو اصلاح الثوب**''۔ (۲) کتاب کے ذکر کے ساتھ اس کے موضوع کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے (۳) کتاب کے بارے میں یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ مختصر ہے، بسوط ہے یا متوسط ہے۔ (۴) اگر کسی کتاب کی تلخیص تعلیق یا شرح کی گئی ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے، مثلاً حافظ منذری کی کتاب ''الترغیب والترہیب'' کی تلخیص حافظ ابن حجر عسقلانی نے کی ہے اور اس کتاب پر تعلیق امام برہان الدین ناجی نے لکھی ہے۔ (۵) کتاب کی ضخامت کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے مثلاً ''حلیۃ الابرار'' دس جلدوں میں ہے اور ''**تسهیل المقاصد**'' ایک جلد میں ہے۔ (۶) اگر کتاب عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہے تو اس کی وضاحت، مثلاً ''الخلاصہ فی **تاریخ المدینة**'' اور ''بہار وخزاں'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اول الذکر فارسی میں ہے اور دوسری ترکی میں ہے۔ (۷) بعض مقامات پر کتاب کا خطبہ یا ابتدائی عبارت بھی نقل کردی ہے۔ (۸) کتاب کے فصول وابواب کا ذکر، کہیں صرف اجمالاً کیا ہے اور کہیں قدرے تفصیل سے، مثلاً ''الدر الثمین فی سیرۃ نور الدین'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سات ابواب پر مشتمل ہے، اور امام ابو جعفر احمد سرماری کی کتاب ''الابانہ فی رد من شنع علی ابی حنیفہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اس کو چھ ابواب پر ترتیب دیا ہے۔ (۱) پہلے باب میں اس کا بیان ہے کہ مذہب حنفی وُلاۃ وقضاۃ کے لئے اصلح ہے (۲) دوسرا باب اس بیان میں کہ امام ابوحنیفہ نے آثار صحیحہ سے تمسک کیا ہے (۳) تیسرا باب اس بیان میں امام ابوحنیفہ نے فقہ میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے (۴) چوتھا باب اس بیان میں کہ ان کے مخالف نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا ہے (۵) پانچواں باب ان کے مخالف کی شناعت کے بیان میں (۶) چھٹا باب ان کے مخالف کے جوابات میں۔ ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ نے اس خصوص میں بھی کشف الظنون کو منفرد قرار دیا ہے۔

(۹) بعض جگہ کتاب کے محاسن یا معائب کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، اس سلسلہ میں کہیں وہ خود اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں، اور کہیں کسی دوسرے کی تعریف یا تنقید نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً ابراہیم الشبستری کی کتاب ''التائیہ فی ایساغوجی'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''**سماها موزون المیزان ثم شرحها ایضاً و کلتا هما فی غایة البلاغة**''۔ اسی طرح علامہ ابن حزم کی کتاب ''الفصل بین اہل الاہواء والنحل'' پر علامہ تاج الدین سبکی کی تنقید اور شہرستانی کی تحسین نقل کی ہے۔ کشف الظنون کی ان بیان کردہ خصوصیات کی طرف خود حاجی خلیفہ نے بھی مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔

تذکرۂ مصنفین کی خصوصیات:- مصنفین کے تذکرے میں حاجی خلیفہ نے جن امور کا لحاظ کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مؤلف کی تاریخ وفات کا ذکر، یہاں اس بات کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ تاریخ وفات کے سلسلہ میں متعدد مقامات ایسے ہیں جن میں حاجی خلیفہ کی تاریخ دانی اور گہری نظر بھی دھوکا کھا گئی ہے، چنانچہ بڑی تعداد میں تاریخ وفات غلط بھی لکھ گئی ہیں (۹) مگر ہم طبع چہارم کے ناشرین کی اس بات سے متفق ہیں کہ اتنے بڑے اور وسیع کام میں کچھ غلطیاں ہو جانا ایک فطری امر ہے۔

(۲) مؤلف کے فقہی مذہب کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔

(۳) مؤلف کے نام میں کوئی لفظ مشکل ہے تو اس کے صحیح تلفظ اور حرکتوں کی وضاحت۔ مثلاً ''ابراز الاخبار'' کے مؤلف جمال الدین محمد ابن نباتہ کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے ''نباتہ نون کے ضمے اور با کی تشدید کے ساتھ ہے''۔

(۴) مؤلف کے وطن کی وضاحت کے ساتھ اس کے جغرافیائی محل وقوع کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے، مثلاً کتاب الاتضاع فی حسن العشرۃ والطباع کے مؤلف شیخ محمد حسن عبد العال الدیری کے بارے میں یہ وضاحت کہ ''الدیری نسبة الی دیر البلوط قرية بالرملة''۔

(۵) مؤلف کی نسبت اگر کسی قبیلے کی طرف ہے تو اس کی طرف اشارہ اور قبیلہ کے بارے میں ایک جملے میں تبصرہ۔

کشف الظنون کے قلمی نسخے:- حاجی خلیفہ نے کتاب کی تکمیل کے بعد اس کی تبییض شروع کی، ابھی وہ 'دال' کے مادے تک پہونچے تھے کہ ان کا آخری وقت آ گیا اور انہوں نے کتاب کو چھوڑ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، لہٰذا ''دال'' سے لے کر کتاب کے آخر تک کی تبییض نہ ہو سکی۔ مؤلف کے ہاتھ کا یہ ادھورا مبیضہ توپ کاپی میوزیم استنبول (ترکی) کے ''روان کوشکی کلکشن'' میں ۲۰۵۹ پر موجود ہے، کتاب کا اصل مسودہ مکتبہ جار اللہ ولی الدین (استنبول) میں محفوظ ہے (۱۰)۔ ایک مخطوطہ حلب (شام) کے المکتبۃ الاحمدیہ میں محفوظ ہے، استاذ راغب الطباخ نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے (۱۱) ایک نسخہ پیرس (فرانس) میں محفوظ ہے، اس میں ابراہیم بن علی عربہ جی پاشا کی زیادات بھی شامل ہیں، یہ نسخہ سن ۱۲۰۰ھ کے آس پاس نقل کیا گیا ہے (۱۲) ایک نسخہ برٹش میوزیم (انگلینڈ) میں موجود ہے۔ یہ بھی پیرس والے نسخے کی طرح عربہ جی پاشا کی زیادات کے ساتھ ہے (۱۳) قاہرہ میں از ہر شریف کے کتب خانے میں اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ قلمی نسخوں کا ذکر بروکلمان نے کیا ہے (۱۴)

کشف الظنون کی طباعت:- کشف الظنون کو سب سے پہلے مشہور مستشرق مسٹر فلوجل (Gustavus Flujel) نے شائع کیا، یہ اشاعت ۱۸۳۵ء/۱۸۵۸ء کے درمیانی عرصے میں عمل میں آئی، فلوجل نے اس کو اپنے عربی ترجمے اور حنیف زادہ (م ۱۲۱۷) کے ذیل کے ساتھ شائع کیا تھا، اور ساتھ ہی قاہرہ اور استنبول کے کئی کتب خانوں کی فہرستیں بھی شائع کر دی تھیں، لیکن چونکہ فلوجل کے سامنے مؤلف کے ہاتھ کا مسودہ یا مبیضہ نہیں تھا، اور جو قلمی نسخے فلوجل کے سامنے تھے ان میں کاتبین و ناقلین کی ''کرم فرمائیاں'' شامل تھیں، اس لئے اس اشاعت میں سیکڑوں خامیاں راہ پا گئیں۔ اس اشاعت میں ایک بڑی کمی یہ بھی رہ گئی کہ حاجی خلیفہ نے اپنے مسودے اور پھر مبیضے میں جابجا جو تعلیقات و حواشی تحریر کئے تھے، ناقلین نے ان کو نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا، چنانچہ فلوجل کے سامنے جو نسخے تھے وہ سب ''معری'' تھے اس لئے یہ اشاعت حاجی خلیفہ کے ان مفید حواشی سے محروم رہی۔ ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ نے بڑی تفصیل سے اس اشاعت کا تنقیدی جائزہ لیا ہے (۱۵)- ہاں اس اشاعت میں فلوجل نے اس امر کا التزام کیا تھا کہ قوسین میں جگہ جگہ عربہ جی پاشا (م ۱۱۹۰ھ) کی زیادات شامل کر لی تھیں۔

(۲) کشف الظنون کی دوسری اشاعت مصر میں مطبع بولاق قاہرہ سے ۱۲۷۴ھ میں ہوئی، یہ طباعت چونکہ فلوجل والے نسخے کو سامنے رکھ کر کی گئی تھی لہٰذا اس میں وہ ساری خامیاں جوں کی توں باقی رہی جو فلوجل والے نسخے میں تھیں۔ بلکہ مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ فلوجل نے عربہ جی پاشا کی جن زیادات کو قوسین میں جگہ دی تھی ان ناشرین نے ان قوسین کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے متن اور زیادات آپس میں خلط ملط ہو کر رہ گئیں۔

(۳) تیسری مرتبہ کشف الظنون کو حسن حلمی الکتبی نے اپنے اہتمام سے ۱۳۱۰ھ/۱۳۱۱ھ میں مطبع العالم استنبول سے شائع کیا، اس اشاعت میں بھی کوئی قابل ذکر اصلاح نہیں کی جا سکی لہٰذا یہ بھی پچھلی اشاعتوں کے نقش قدم پر رہی۔

(۴) چوتھی مرتبہ کشف الظنون ترکی کی وکالۃ المعارف کے زیر اہتمام مطبع بھیہ سے ۱۹۴۱ء/۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی، اس اشاعت میں جامعہ استنبول کے دو اساتذہ محمد شرف الدین اور رفعت الکلیسی نے کافی محنت سے ان خامیوں کو دور کیا جو سابقہ اشاعتوں میں ہوتی چلی آرہی تھیں، نیز ایک مقدمہ بھی تحریر کیا جو اختصار کے باوجود نہایت وقیع ہے، (۱۶) بعض پہلوؤں سے اس اشاعت کو گذشتہ اشاعتوں سے ممتاز کہا جاسکتا ہے، مثلاً

(۱) ان ناشرین کے پیش نظر چونکہ حاجی خلیفہ کے ہاتھ کا مسودہ اور مبیضہ موجود تھا اس لئے یہ اشاعت تصحیفات اور کتابت کی اغلاط سے کسی حد تک پاک ہوگئی۔

(۲) اس اشاعت میں حاجی خلیفہ کے حواشی اور تعلیقات بھی شامل کر لئے گئے جن سے سابقہ اشاعتیں خالی تھیں۔

(۳) حاشیہ میں جابجا نمبر ڈال کر اسماعیل پاشا کی زیادات بھی شامل کر لی گئیں۔

(۴) ان تصحیفات کی نشاندہی بھی جلد، صفحہ، اور سطر کی قید کے ساتھ کردی گئی جو فلوجل والی اشاعت میں راہ پاگئی تھیں۔

(۵) اس اشاعت میں اسماعیل صائب سنجری کی زیادات بھی شامل کی گئی۔

(۶) نیز ناشرین نے خود بھی جگہ جگہ حسب ضرورت حواشی وتعلیقات تحریر کئے۔

اس کی جو اشاعتیں ہوئیں وہ اسی طبع چہارم کو سامنے رکھ کر کی گئیں، بعد کی اشاعتوں میں دیگر لوگوں کے مقدمات تو ضرور شامل کئے جاتے رہے مگر کوئی تحقیقی کام ہوا ہو اس کا علم راقم کو نہیں، اس وقت ہمارے سامنے جو نسخہ ہے وہ دار التراث، بیروت سے شائع شدہ ہے (سن ندارد) اس پر طبع چہارم کے مقدمہ کے علاوہ "کشف الظنون عن صاحب کشف الظنون" کے عنوان سے شہاب الدین النجفی المرعشی کا مقدمہ بھی شامل ہے۔

کشف الظنون کے ترجمے:- ہم نے شروع میں لکھا تھا کہ کشف الظنون کی اہمیت ووقعت کے پیش نظر کئی زبانوں میں اس کے ترجمے کئے گئے ہیں، فلوجل نے اپنے انگریزی ترجمے کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ اس کا سب سے پہلا ترجمہ Pedisdflo Croix نے فرنچ میں کیا تھا، جو پیرس کے ایک کالج میں عربی کے استاذ تھے (۱۷) یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ ترجمہ شائع ہوا یا نہیں، بلکہ مرعشی نے تو فلوجل کے ترجمے کو ہی فرانسیسی ترجمہ قرار دے دیا ہے، جو یا تو مرعشی کا سہو ہے یا پھر کتابت کی غلطی۔ فلوجل کے انگریزی ترجمے کا ذکر تو پیچھے گذر ہی چکا ہے، اس کے علاوہ مرعشی نے اس کے جرمن ترجمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

کشف الظنون کے ذیول:- استاذ محمد راغب الطباخ نے مولانا عبد الحی فرنگی محلی کی کتاب الفوائد البھیہ کے حوالے سے کشف الظنون کے تین ذیول کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ نے تلاش وتحقیق کر کے یہ تعداد دس تک پہنچا دی ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ذیل کشف الظنون: محمد عزتی آفندی وشنہ زادہ (م ۱۰۹۲ھ)

(۲) ذیل کشف الظنون: ابراہیم آفندی معروف بہ عربہ جی پاشا (م ۱۱۹۰ھ)

(۳) ذیل کشف الظنون: علامہ نوعی آفندی

(۴) آثار نو: احمد طاہر آفندی حنیف زادہ (م ۱۲۱۷ھ)

(۵) ذیل کشف الظنون: محمد آفندی الارض رومی، اس میں دولت عثمانیہ کی تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۶) ذیل کشف الظنون: عارف حکمت بک (م ۱۲۷۵ھ) یہ ذیل صرف حرف جیم تک ہے۔

(۷) **ایضاح المکنون فی الذیل علی الکشف الظنون**: اسماعیل پاشا ابن محمد امین آفندی (م ۱۳۳۹ھ) یہ ۱۳۳۰ھ میں مکمل ہوئی اور ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوئی۔

(۸) ذیل علامہ اسماعیل صائب سنجر۔

(۹) ذیل آغا بزرگ طہرانی، یہ ذیل اسماعیل پاشا بغدادی کی کتاب "ہدیۃ العارفین" کے ساتھ استنبول سے شائع ہو چکا ہے۔

ان ذیول کے علاوہ سید حسین نبہانی الحلبی (م ۱۰۹۶) کی "التذکار الجامع للآثار" کو بھی کشف الظنون کے ذیول میں شمار کیا گیا ہے، سلیمان محمد عطیہ کے بقول یہ ایک حیثیت سے ذیل ہے اور ایک حیثیت سے مختصر، حاجی خلیفہ کے تلمیذ التلمیذ جار اللہ ولی الدین آفندی کی بھی یہی رائے ہے۔

کشف الظنون کے مختصرات:- جس زمانے میں کشف

الظنون کے ذیول اور زیادات تالیف کیے جارہے تھے ٹھیک اسی زمانے میں کچھ اہل علم اس کی مختصرات لکھ رہے تھے۔ مختصرات کے تذکرے میں ہم سب سے پہلے سابق الذکر "التذکار الجامع للآثار" کا ذکر کریں گے، جو سید حسین نبہانی الحلبی کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے خلاصے یا مختصر کا تذکرہ اور بھی ملتا ہے اور وہ ہے کمال الدین محمد بن مصطفیٰ الصدیقی کی کتاب "خلاصۃ تحقیق الظنون فی الشروح والمتون" ۔ بروکلمان نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، محمد خلیل مرادی نے بھی "سلک الدرر" میں کمال الدین صدیقی کی تالیفات میں اس کا تذکرہ کیا ہے، لیکن انہوں نے اس کا نام "کشف الظنون فی اسماء شرح والمتون" تحریر کیا ہے۔

مراجع

(۱) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۵: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء۔ عمر رضا کحالہ اور خیر الدین زرکلی نے ولادت کا سن عیسوی ۱۶۰۹ اور وفات کا ۱۶۵۷ لکھا ہے۔ دیکھیے: معجم المؤلفین ج ۱۲/ ص ۲۶۲/ اور الاعلام ج ۸/ ص ۱۳۸

(۲) سرکیس یوسف الیان: معجم المطبوعات العربیہ: ج ۱/ ص ۱۳۲

(۳) ایڈورڈ فنڈک: اکتفاء القنوع: ص ۳۷۷: طبع مصر

(۴) شہاب الدین مرعشی: مقدمہ کشف الظنون: ص و۔ ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۱۰ تا ۱۵: مطبوعہ مصر

(۵) عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین ج ۱۲/ ص ۲۶۳، اور خیر الدین زرکلی: الاعلام ج ۸/ ص ۱۳۹

(۶) سرکیس یوسف الیان: معجم المطبوعات العربیہ۔ سرکیس نے اصل ترکی کا عربی ترجمہ نقل کیا ہے ہم نے اسی عربی کا اردو ترجمہ کیا ہے

(۷) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۳۶: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء

(۸) ان مثالوں میں ہم نے ہر جگہ کشف الظنون کا حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی، حروف تہجی کے اعتبار سے ان مقامات کو کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے

(۹) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۳۵: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء

(۱۰) حاشیہ مقدمہ طبع چہارم: ص ۸

(۱۱) راغب الطباخ: مقالہ مطبوعہ مجلۃ المجمع العلمی العربی دمشق: ج ۱۹/ ص ۴۔۱۷۱، سن ۱۹۴۴ء

(۱۲) بروکلمان: G.A.L.S ص ۶۳۵

(۱۳) مرجع سابق

(۱۴) دیکھیے: مرجع سابق

(۱۵) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۳۸ تا ۴۶: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء

(۱۶) زیر نظر مقالے میں اس مقدمہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے

(۱۷) بحوالہ مقدمہ طبع چہارم ص ۱۰،۱۱

(۱) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۵: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء۔ عمر رضا کحالہ اور خیر الدین زرکلی نے ولادت کا سن عیسوی ۱۶۰۹ اور وفات کا ۱۶۵۷ لکھا ہے۔ دیکھیے: معجم المؤلفین ج ۱۲/ ص ۲۶۲ اور الاعلام ج ۸/ ص ۱۳۸

(۲) سرکیس یوسف الیان: معجم المطبوعات العربیہ: ج ۱/ ص ۱۳۲

(۳) ایڈورڈ فنڈک: اکتفاء القنوع: ص ۳۷۷: طبع مصر

(۴) شہاب الدین مرعشی: مقدمہ کشف الظنون: ص و۔ ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۱۰ تا ۱۵: مطبوعہ مصر

(۵) عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین ج ۱۲/ ص ۲۶۳، اور خیر الدین زرکلی: الاعلام ج ۸/ ص ۱۳۹

(۶) سرکیس یوسف الیان: معجم المطبوعات العربیہ۔ سرکیس نے اصل ترکی کا عربی ترجمہ نقل کیا ہے ہم نے اسی عربی کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

(۷) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۳۶: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء

(۸) ان مثالوں میں ہم نے ہر جگہ کشف الظنون کا حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی، حروف تہجی کے اعتبار سے ان مقامات کو کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے

(۹) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۳۵: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء

(۱۰) حاشیہ مقدمہ طبع چہارم: ص ۸

(۱۱) راغب الطباخ: مقالہ مطبوعہ مجلۃ المجمع العلمی العربی دمشق: ج ۱۹/ ص ۴۔۱۷۱، سن ۱۹۴۴ء

(۱۲) بروکلمان: G.A.L.S ص ۶۳۵

(۱۳) مرجع سابق

(۱۴) دیکھیے: مرجع سابق

(۱۵) ڈاکٹر سلیمان محمد عطیہ: رسالہ کشف الظنون: ص ۳۸ تا ۴۶: مکتبۃ الانجلو المصریۃ، قاہرہ ۱۹۷۷ء

(۱۶) زیر نظر مقالے میں اس مقدمہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے

(۱۷) بحوالہ مقدمہ طبع چہارم ص ۱۰،۱۱۔

□□□

ڈاکٹر محمد علیم☆

حالات حاضرہ

آخر ہم ان کی آنکھ کا کانٹا کیوں ہیں؟

دنیا آج واضح طور پر دو خانوں میں بٹی دکھائی دیتی ہے، پہلا وہ طبقہ ہے جو خود کو حقیقت پسند کہتا ہے اور دوسرا وہ طبقہ جسے طبقہ اول کے افراد اپنی مرضی اور سمجھ کے مطابق غیر حقیقت پسند تصور کرتے ہیں، میری مراد یہاں مغرب اور اسلام کے بیچ مسلسل چل رہی کشمکش اور تصادم سے ہے، پچھلے چند سالوں سے اس سازش نے اور زور پکڑ لیا ہے اور اس کی واضح مثال ابھی حال کے تازہ واقعات ہیں- آج سے ایک دہائی قبل بدنام زمانہ مصنف سلمان رشدی کی ایک کتاب آئی تھی جو مغربی سازش کا ایک گھناونا نمونہ تھی، حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ سلمان رشدی کا اس کتاب کو تحریر کرنے کے پیچھے کیا مقصد تھا، اس کے بعد بھی شرارتوں کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور یہ امید کم ہی معلوم ہوتی ہے کہ مستقبل میں بھی وہ اپنی اس طرح کی مذموم حرکتوں سے بعض رہیں گے- ابھی حالیہ دنوں میں ڈنمارک میں بھی ایک اسی طرح کی ناپاک کوشش کی گئی اور ایسے اشتعال انگیز کارٹون بنائے گئے جن کی وجہ سے ساری مسلم دنیا میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ پڑی- ابھی یہ طوفان تھما بھی نہیں تھا کہ وہیں کے ایک ممبر آف پارلیمنٹ نے ایک ایسی فلم بنا کر نیٹ پر ڈال دی جس کا مقصد واضح طور پر مسلم دنیا کو مشتعل کرنا اور اس کے وقار کو مجروح کرنا تھا- اس سے پہلے بھی نہ جانے اس طرح کی اور کتنی گھناؤنی کوششیں ہوتی رہی ہیں، لیکن یہاں میری تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان باریکیوں کو جانیں کہ آخر کیوں مغربی دنیا اس سے پہلے بھی ماضی بعید میں اس طرح کی کوششیں کی کرتی رہی ہے-

ابھی حال میں ایک انگریز مصنفہ کی ایک کتاب آئی ہے، جس نے ادبی حلقوں میں خاصی شہرت حاصل کی ہے، مصنفہ کا نام کیرین آرمسٹرونگ (karen Armstrong) ہے اور ان کی عالمی شہرت یافتہ کتاب کا نام ہے، ''محمد- اے بایوگرافی آف دی پرافیٹ (Mohammad - A biography of the prophet)'' مجھے بھی اس کتاب کو پڑھنے کا اشتیاق ہوا اور اگلے دن ہی میں نے یہ کتاب خرید لی، اس کتاب کو پڑھنے کے لیے بڑھی دلچسپی کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ انگریزی کے معروف مصنف اور صحافی خوشونت سنگھ نے ہندوستان ٹائمس میں اپنے ہفتہ وار کالم کے اندر جو ہر سنیچر کو شائع ہوتا ہے اس کتاب کا ذکر کیا تھا اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مجھے خود اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اتنی گہری جانکاری نہیں تھی جتنا جاننے کا میں دعوی کرتا تھا- ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں میری جانکاری بہت ہی سطحی تھی، انھوں نے اس بات کا کھلے دل سے یہ اعتراف کیا کہ وہ اس عظیم پیغمبر کے بارے میں بہت کم ہی جانتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے وہ جانکاری انھوں نے مغربی مصنفین کی کتابوں سے حاصل کی تھی، لیکن جب آرمسٹرونگ کی کتاب سامنے آئی اور انھیں اس کے مطالعہ کا موقع ملا اور پھر اس کے بعد جو ان کا تاثر رہا وہ حیران کر دینے والا تھا، انھوں نے کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا کہ: ''مصنفہ کی اس کتاب کو پڑھ کر عالم اسلام کے بارے میں ان کی جانکاری پختہ ہوئی ہے اور خاص طور پر پیغمبر اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں ان کے دل ودماغ میں بیٹھی ہوئی تھیں وہ دور ہوئی ہیں-''

آیئے مصنفہ کی تحریر کردہ کتاب سے دو اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں کہ آخر مغربی دنیا ہمارے پیغمبر رحمت دو عالم ﷺ کے بارے میں کیا سوچتی تھی اور آج بھی کیا سوچ رکھتی ہے:

''ان کی (پیغمبر محمد ﷺ) کی زندگی کا پہلا حصہ شیطانیوں سے بھرا تھا، انھوں نے (نعوذ باللہ) عیاشانہ زندگی بسر کی، جیسا کہ عربوں کی فطرت تھی، ان کی ساری قوت اس میں صرف ہوتی تھی کہ وہ ناحق کسی کا خون بہائیں اور عورتوں کی عصمت سے کھیلیں، انھیں اپنی مرضی سے تار تار کریں، وہ ہر وقت خون اور قتل وغارت گری میں ہی سکون تلاش کرتے تھے-''

''ان کی زندگی کا دو بنیادی مقصد تھا: پہلا زمین کے ایک بڑے حصے پر اپنا قبضہ جمانا اور اپنی حکومت قائم کرنا اور دوسرا عورتوں کی صحبت میں پناہ ڈھونڈنا، جس طرح سے انھوں نے اپنی ایک بڑی حکومت قائم

☆C/636,Street No.9, Zakir Nagar,Okhla,New Delhi-25 Email:.aleem_mohd12@yahoo.com

کی اس سے پہلی بات کی صداقت ظاہر ہوتی ہے اور جس طرح سے انھوں نے عورتوں کا استعمال کیا اس سے دوسری بات کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ اپنی نام نہاد الہامی کتاب میں جا بجا آپ کو قتل و غارت گری کی تلقین کرتے نظر آئیں گے اور عورتوں کی آزادی کی تمام باتیں محض ان کو استعمال کرنے کا ایک اچھا بہانہ ہے، انھیں موت کے بعد کی زندگی میں سکون میسر ہوگا، اس بات کو بنیاد بنا کر بھی انھوں نے ان عورتوں کا استحصال کیا۔"

مذکورہ اقتباس سے آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مغربی دنیا نے ہمارے محبوب پیغمبر کے بارے میں کیا خود ساختہ تصورات قائم کر رکھے تھے اور انہی کو بنیاد بنا کر اہل مغرب لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں سے بدگمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کی یہ کوششیں آج بھی کم و بیش اسی طرح جاری و ساری ہیں۔

مصنفہ کو پیغمبر محمد ﷺ کے بارے میں مغربی دنیا میں پائی جانے والی اس رائے سے حیرانی تو تھی ہی مگر ان کے دل و دماغ میں ایک ہیجان تب برپا ہوا جب انگریز مصنف سلمان رشدی کی کتاب سامنے آئی اور اسلامی دنیا میں اس کو لے کر سخت ردعمل سامنے آیا۔ وہ اپنے مقصد کی وضاحت کچھ اس طرح کرتی ہیں:

"میں نے یہ کتاب اس لیے لکھی کہ میں سلمان رشدی کی تحریر کردہ کتاب "شیطانی آیات" (The Satanic verses) پڑھ کر بہت ڈسٹرب تھی، مجھے ایسا لگا کہ مغرب وہی کچھ پڑھنا چاہتا ہے جو اس کتاب میں جان بوجھ کر شاطرانہ طریقے سے لکھا گیا ہے، لیکن ایک عظیم پیغمبر کے بارے میں میں ایسی باتیں پڑھ کر واقعی بے حد پریشان تھی اور اسی بات نے مجھے متحرک کیا کہ میں ان حقائق کی تہ میں جاؤں جس سے مغربی دنیا آنکھیں چراتی ہے۔"

مغربی دنیا کے اسلام کے بارے میں رائے قائم کرنے میں جن اصحاب کا سب سے نمایاں رول رہا ہے وہ وہاں کے شاعر اور اسکالرز ہیں۔ ان کے لگ بھگ سارے بڑے قلم کاروں نے کسی نہ کسی صورت میں دوسرے مذاہب کو تنقید اور تنقیص کا نشانہ بنایا ہے، خاص طور پر مذہب اسلام کو۔ اس کی چند مثالیں ہی اس بات کو واضح کر دینے کے لیے کافی ہوں گی۔

"دی ڈیوائن کامیڈی" (The Divine Comedy) کو عالمی ادب میں ایک اہم شاہکار تصور کیا جاتا ہے اور اس کا اب تک بے شمار زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ دانتے نے اپنی اس کتاب کو عیسائی نقطہ نظر سے لکھا ہے کہ آخر عیسائی مذہب میں انسان کو کس حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے اور وہاں جنت اور جہنم کا کیا تصور پایا جاتا ہے۔ وہ کون لوگ ہوں گے جو احکام خداوندی پر عمل نہ کرنے کی پاداش میں جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ یوں تو شاعر نے ان مجرمین کی ایک لمبی فہرست گنائی ہے جو اس دن سزا کے مستحق ہوں گے جس دن میزان عدل قائم کیا جائے گا لیکن جب وہ ایک مقام پر اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں جن مذموم اور ناپاک خیالات کا اظہار کرتا ہے وہ واقعی حیران کن ہیں۔ اس اقتباس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مغربی دنیا ہمارے پیغمبر کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے اور انھیں کس نظر سے دیکھتی ہے۔

"وہاں پر نہ کوئی برتن تھا اور نہ چولہا تھا۔ میں نے جو وہاں ایک جھروکے سے جھانک کر دیکھا تو مجھے ایک بڑا ہی قبیح منظر آیا۔ وہ شخص جسے جہنم کا عذاب دیا جا رہا تھا اس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ لٹک کر اس کے پاؤں تک آ گئی تھیں۔ اس کے جسم کے دوسرے اہم اعضا جیسے دل اور گردے باہر نکل آئے تھے اور اس شخص کی خوراک تھی جانوروں کا گوبر جسے اسے کھانے کے لیے دیا جا رہا تھا۔"

مذکورہ اقتباس کسی اور شخص کے بارے میں نہیں بلکہ ہمارے عظیم اور انسانیت کے لیے سراپا رحمت پیغمبر اعظم ﷺ کے بارے میں ہے جسے اس ملعون اور ناسمجھ شاعر نے بیان کیا ہے اور انھیں جہنم کے آٹھویں طبقے میں دکھایا ہے۔

یہ ایک اقتباس ہی اس بات کو عیاں کر دینے کے لیے کافی ہے کہ اہل کتاب جنھیں اسلام بڑے احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، کس طرح ہمارے مذہب اور ہمارے پیغمبر کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتے رہے ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ ہی تھا کہ کسی طرح اس حقانی تعلیم سے عیسائی دنیا کو برگشتہ کیا جائے جو اپنے اندر ساری دنیا کو ضم کر لینے کی طاقت رکھتی ہے۔ دراصل مغربی دنیا کے مفکرین نے کبھی اس بات کی ضرورت کو تسلیم ہی نہیں کیا کہ اسلام بھی اللہ کی طرف سے اہل دنیا کو پیش کیا گیا وہ نایاب تحفہ ہے جس سے دنیا کا اندھیرا دور ہوا اور آگے بھی دور ہوتا رہے گا۔ قرآن بھی اس بات کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتا ہے کہ قرآن سراسر انسانوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے۔ کوئی ہے

اس سے نصیحت قبول کرنے والا- اسی قران میں ان اہل کتاب کی ان ہٹ دھرمیوں کو بڑے خوبصورت انداز میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ (یہود و نصاریٰ) تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تمھیں تمہارے دین سے پوری طرح پھیر نہ دیں-

جو حرکت عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کی بدقسمتی سے لگ بھگ اسی طرح کی حرکت یہودیوں نے ان کے ساتھ بھی کی- دراصل عیسائی اور یہودی دونوں قومیں ہمیشہ سے اسی طرح کی حرکتوں میں مسلسل ڈوبی رہی ہیں- ان یہودیوں نے اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کبھی ایک سچا پیغمبر تسلیم نہیں کیا اور وہ ساری ناپاک حرکتیں اور سازشیں کیں جو وہ کر سکتے تھے یہاں تک کہ اللہ کے اس برگزیدہ نبی کو نعوذ باللہ ناپاک اولاد تک کہہ ڈالا اور ان کی ماں حضرت مریم پر بہتان عظیم باندھا- قرآن کریم میں ان واقعات کو بڑی وضاحت اور خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے جسے آپ بھی پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں-

عالمی ادب کے ایک دوسرے مشہور شاعر و ادیب والٹیر نے بھی اپنی شاعری میں محمد ﷺ کو (Mohmet) کہا ہے اور اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ کر بعض مصنفین نے اپنی تخلیقات میں انھیں محاونڈ (Mohound) کہہ کر خطاب کیا ہے اور اس کے پیچھے ان کی ناپاک کوشش یہ رہی ہے کہ پیغمبر کے بارے میں ایک دوسرے خطرناک تصور کو رائج کیا جائے اور وہ تصور یہ تھا کہ پیغمبر اسلام کوئی پیغمبر نہیں بلکہ ایک جنونی شخص تھے جن پر بھوتوں کا سایہ تھا- یہ ایک راچھس کی طرح تھے اور ان کے ساتھ ایسا الہامی کچھ نہیں تھا جس کا کہ وہ دعوہ کرتے تھے اور لگ بھگ اسی طرح کے ناپاک جملوں کا استعمال ہندوؤں کی ایک مذہبی کتاب میں بھی کیا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام دراصل ایک پیغمبر نہیں بلکہ ایک راچھس ہیں جن کو قتل کرنے کے لیے ایک دن شیو خود اوتار اس دھرتی پر لیں گے- مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہندوؤں نے ان ہی یہودیوں اور عیسائیوں سے اثر قبول کر کے اس مذموم نظریہ کو گڑھا ہے- عیسائی نظریات میں بھی کچھ اسی طرح کے نظریہ کو قایم کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ یروشلم میں واقع ان کے مذہبی عبادت خانہ کو کسی زمانہ میں شیطانی قوتوں کا سامنا ہوگا اور اسے جہاد کر کے بعد میں آزاد کرایا جائے گا- اور اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے اس قبلہ اول کو ان لوگوں نے ایک زمانے میں قبضہ کر لیا اور پھر بعد میں جب وہ پھر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہوئے تو انھوں دوسری عالمی جنگ کے بعد ارض فلسطین میں ایک ناپاک اور ناجائز ریاست اسرائیل کی بنیا ڈالی- اور آج بھی ان کی کوشش یہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کے اس خانہ کعبہ کے بعد دوسرے بڑے مقدس عبادت خانہ پر ناجائز قبضہ قایم کرلیا جائے-

ایک دوسرا انگریز مصنف فے ویلڈن (Fe Weldon) مسلمانوں کی الہامی کتاب کا ذکر کچھ ان الفاظ میں اپنی کتاب "ان سیکریڈ کاؤز" (In Sacred cows) میں کیا ہے-

"قرآن غور و فکر کی خوبیوں سے خالی ہے- یہ نہ تو کوئی شاعری کی کتاب ہے جس پر سماج محفوظ اور سنجیدہ طریقے سے انحصار کر سکتا ہے- یہ صرف قتل و غارت گری کی تعلیم دیتا ہے اور ان کے ماننے والے بے روک ٹوک آج بھی اس نصیحت پر بے روک ٹوک عمل کر رہے ہیں- میں اسے ایک محدود نظریہ کا حامل ایک کتاب مانتا ہوں- اس کی تعلیم سے خدا کے وجود کا نظریہ بھی پوری طرح واضح نہیں ہوتا-"

اس مصنف کی ان باتوں سے آپ بخوبی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہماری مقدس اور علم و معرفت سے بھری کتاب کے بارے میں وہ کیا رائے رکھتے ہیں- یہاں مذکورہ مصنف کی ان باتوں سے مجھے قطعی حیرانی نہیں ہوئی- وہ یوں کہ اللہ نے خود ہی اپنی اس مقدس کتاب میں یہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ یہ گونگے اور بہروں کی طرح ہیں اور اللہ نے ان کی قوت سماعت اور بصارت دونوں چھین لی ہے- یہ صرف اندھیرے میں تیر مارتے ہیں اور ان کے ہاتھ سوائے گمراہی اور تباہی کے کچھ نہیں آتا-

دراصل آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مغربی دنیا اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جن غلط فہمیوں کا شکار ہے اسے سنجیدہ طریقے سے دور کرنے کی کوشش کی جائے اور انھیں ایسی کتابیں فراہم کی جائیں جو اسلام کے بارے میں انھیں حکیمانہ طریقے سے گہری جانکاری فراہم کریں- امید ہے ہم مسلمانوں کے درمیان ایسے دانشور پیدا ہوں گے جو کم سے کم ان غیروں کو خود ان ہی کی زبان میں اپنی باتیں زیادہ خوبصورت پیرائے میں بیان کریں گے جس سے نہ صرف ان مخالفین کے ذہنوں پر چھایا اندھیرا دور ہوگا بلکہ ہمارے اس عظیم مذہب کے بارے میں سمجھ اور فہم کے نئے دروازے بھی کھلیں گے- □□□

☆ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد — چراغ صد انجمن

معلومات ومشاہدات اور یادداشتوں کے جھروکوں سے ایک تاثراتی تحریر

رضویات کے سب سے بڑے عالم اور معارف مجدد الف ثانی کے عظیم محقق، سیکڑوں علمی، تحقیقی اور تاریخی کتابوں کے مصنف اور درجنوں تحقیق کاروں کے مربی ورہبر اور متعدد علمی وتحقیقی وتصنیفی اداروں کے سرپرست ومشیر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری ۲۸ر اپریل ۲۰۰۸ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ دنیائے سنیت میں ایک سناٹا چھا گیا، اب بھی ہر طرف خاموشی ہے، ملال اس کا نہیں کہ اب اس دور کا عظیم محقق نہ رہا، افسوس یہ ہے کہ اب کوئی دوسرا اس جگہ کو لینے والا نہیں۔ مسعود ملت عہد زوال میں جماعت اہل سنت کی گراں قدر علمی امانت تھے ان کے کھو جانے کا غم سب کو ہے۔ ادارہ جام نور بھی اس اجتماعی غم میں برابر کا شریک ہے اور پروفیسر مرحوم کے اہل خانہ کے حضور دلی تعزیت پیش کرتا ہے۔ ادارہ

وہ چراغ جو دہلی میں جل اٹھا تھا، کراچی میں بجھ گیا۔ عملی زندگی میں وہ جب تک رہے، چراغ صد انجمن رہے۔ جب گئے صدہا چراغ روشن کر گئے۔ دو دہائی پہلے تعارف ہوا، جب میں اشرفیہ، مبارک پور میں زیر تعلیم تھا۔ ان کی ایک سے ایک کتاب چھپ چھپ کر آ رہی تھی، اس وقت میرا شعور گو اتنا پختہ نہیں تھا، تاہم پڑھتا تھا، پورا حظ اٹھاتا تھا۔ اسی دورانیہ میں میں نے ادارہ افکار حق قائم کیا اور ان سے راہ ورسم پیدا کی۔ تب سے خط، کتابت کا سلسلہ چلا اور خوب چلا۔ ادارہ مذکور سے ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں جو پورے ملک میں تقسیم کی گئیں۔ وہ دیکھتے، خوش ہوتے، دعائیں دیتے، مشوروں سے نوازتے۔ یہ کتابیں امام احمد رضا کی شخصیت وفکر پر ہوتیں۔ جتن سے چھپتیں، قارئین دلجمعی سے پڑھتے، لطف اٹھاتے۔ یہ تعارف غائبانہ تھا، یہ ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء کی بات ہے۔

اشرفیہ کے بعد جہاں کہیں رہا، ان سے رابطہ رکھا، کتابت و طباعت کے امور پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ مجھے یاد آتا ہے، یہ ۱۹۹۱ء یا ۱۹۹۲ء کا سن تھا۔ حضرت مسعود ملت نے مجھے لکھا: پروفیسر ابرار حسین صاحب اسلام آباد میں 'فوز مبین' پر کام کر رہے ہیں۔ ان کو قلمی نسخہ کی ضرورت ہے۔ آپ بریلی یا مارہرہ جا کر حاصل کریں اور ارسال کریں۔ میں ان دنوں ایم۔اے کر رہا تھا، چہرہ بے ریش تھا، ریکھائیں نمودار ہو رہی تھیں۔ سوچا، بھلا مجھے کیا کوئی بھاؤ دے گا۔ لہٰذا سیدھے بدایوں حاضر ہوا۔ جہاں امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی مد ظلہ مدرسہ قادریہ میں فنی لعل وگہر کا خزانہ بڑی سخاوت سے لٹا رہے تھے۔ پہنچا، مدعا بیان کیا، خواجہ صاحب علم وفن کے لحاظ سے اپنے عصر کے عطر العلم ہیں اور حسن اخلاق کے کوہ گراں بھی۔ ان کے اندر ہر خوبی ہے، صرف ایک نہیں۔ وہ یہ کہ وہ 'نا' کہنا نہیں جانتے۔ تیار ہو گئے حالاں کہ مئی کا مہینہ تھا، دھوپ برس رہی تھی، شدت کی گرمی تھی، یہ دو نفری قافلہ سوئے مارہرہ چل پڑا۔ سورج شباب پر تھا۔ بارش تو نہیں تھی، مگر ہم بھیگ چکے تھے۔ ٹھیک دوپہر ظہر سے پہلے ہم خانقاہ معلّٰی حاضر ہوئے۔ میں تو مرجھایا ہی تھا، خواجہ صاحب بھی کمھلائے نظر آئے۔ یہ مارہرہ ہے، امام احمد رضا کا پیر خانہ، زیدی سادات کا گھرانہ، اخلاق نبوی کا اعلیٰ نمونہ، خادم آیا، بیٹھنے کو کہا، پوچھا اور اندر اطلاع دی۔ چند لمحے بعد زیب سجادہ برآمد ہوئے، خواجہ صاحب سے آنکھیں چار ہوئیں، لپٹ گئے، مراسم محبت وعقیدت کی ادائیگی کے بعد مہمانوں کو حجرۂ خاص کھلا، بیٹھے، بات ہوئی، موسم کے اعتبار سے مشروبات وماکولات سے تواضع کی گئی، اذان ہوئی، مسجد برکاتی میں نماز ظہر پڑھی، پر تکلف ظہرانہ ہوا، آنے کی غرض عرض کی گئی۔ میرے مرشد طلب حضور احسن العلما نے فرمایا: 'فوز مبین' قلمی ہے۔ مگر آج سر شام میرا سفر شروع ہوگا، تیاری میں ہوں، مناسب وقت تشریف لائیں، آپ (خواجہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) کو ضرور دیا جائے گا۔ آپ اس کے اہل ہیں۔ اس موقع پر ہمیں تبرکات ومتبرک مقامات کی زیارت کرائی گئی، مارہرہ شریف یہ میری پہلی حاضری تھی۔

حضرت مسعود ملت ٹوہ میں رہتے، امام احمد رضا کا کوئی خطی نسخہ مل جائے، اس پر کام کیا یا کرایا جائے۔ کون، کہاں، کب، کیا کام کر رہا ہے، کس لیاقت کا ہے، موضوع کیا ہے، مواد کہاں مل سکتا ہے۔ سب کی خبر

☆201,Ghazala Galaxi,Naya Nagar,Mira Road, (E) Mumbai(M.S)E-mail:.ghulamjabir@yahoo.com

رکھتے، سب کو خبر کرتے، سب ان سے جڑے رہتے۔ سالار آگے رہتا، تازہ دم فوج پیچھے چلتی۔ حکیم موسیٰ امرتسری نے ان کو پکڑا، انہوں نے سارے جہان کو پکڑا۔ قابل کار افراد تلاش کرتے، میدان کار میں لا کھڑا کرتے۔ پہلے ذہن سازی ہوتی، پھر موضوع منتخب ہوتا، مواد کی نشان دہی ہوتی، پھر کارواں چل پڑتا۔ یوں انہوں نے کتنوں کو کیا کر دیا، قطرہ تھا دریا بنا دیا۔ ذرہ تھا رشک مہر و ماہ کر دیا۔ حوصلہ موجود ہوتا ہے، صلاحیت خفتہ ہوتی ہے، صرف بڑھانے اور جگانے کی ضرورت ہے، اس وصف میں ان کا جواب نہیں۔

میں نے ایم۔اے کیا، ان سے رابطہ کیا، انہوں نے کہا: آپ مکاتیب رضا پر کام کریں، یہ ایک چھپا خزانہ ہے۔ ۱۹۶۶ء سے وہ مکاتیب پر کام کرانے کا سوچتے تھے۔ مسعود ملت مشربا نقشبندی تھے، فطرتا رضوی تھے، وہ چاہتے تھے امام احمد رضا کی فکر زندہ، بحال، رائج، نافذ ہو، اغیار کی مجرمانہ غفلتوں کا پردہ چاک ہو، علمی خیانتوں کا چلمن تار تار ہو، اس پر وہ سو سو طرح سوچتے تھے۔ میرے موضوع کے منتخب ہونے میں کچھ وقت بیت گیا، اسی دوران بریلی تشریف لائے، بانس منڈی میں ڈاکٹر سراج حسین رضوی کے گھر قیام تھا، صبح کا وقت تھا اور عرس رضوی کا موسم، مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا لیٰسین اختر مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی کے علاوہ کئی علما اور دانشور موجود تھے، میں فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کے جلو میں حاضر ہوا۔ ان سے یہ میری پہلی بالمشافہ ملاقات ہو رہی تھی، نام کے سابقہ پروفیسر ڈاکٹر سن کر گمان تھا۔ سوٹیڈ، بوٹیڈ اور کلین شیو ہوں گے۔ دیکھا، دیکھتا رہ گیا۔ سفید براق تا حد شرع داڑھی، جناح کیپ کلی دار سفید کرتہ، سفید کھلتا ہوا پائجامہ، چہرہ کتابی، آنکھیں نہ جھیل جیسی، نہ کمل جیسی، درمیانی عقابی، تیز روشن، لبوں پر مسکراہٹ تیرتی ہوئی، متوسط، مناسب قد، قامت، باتیں سرسبز، شاداب، شیر و شکر، اثر و نفوذ میں تریاق۔ سخن تکیہ 'جی ہاں' یا 'جی ہاں جی ہاں' اس میں اتنی مٹھاس، بس محسوس کیا کیجیے۔ انگشت اور چشم و ابرو کے اشارے معنی خیز، پر وقار لہجہ، علمی، دھیما، متین و پر وقار۔ یہ تھا حلیہ اور انداز۔

تعارف، جو غائبانہ تھا، روبرو ہو رہا تھا، میری طرف متوجہ ہوئے فرمایا: اتنی کچی عمر، اتنا آہنی عزم، جی ہاں، آپ تو مکاتیب رضا پر کام کریں گے، مواد مل جائے گا۔ مجلس میں جتنے تھے، سب اساطین علم و ادب تھے، اکیلا طالب علم میں ہی تھا، یہ تھی باقاعدہ ملاقات و تعارف۔

انہیں دنوں ایک دفعہ مسجد فتحپوری میں نیاز حاصل ہوا، جہاں ان کا بچپنا گزرا تھا، ابتدائی تعلیم ہوئی تھی، والد بزرگوار مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی علیہ الرحمہ مسجد کے امام و خطیب ہی نہیں تھے، حضرت حضرت دہلی کی جان تھے، اہل سنت کی شان تھے۔ در و دیوار پر ان شخصیتوں کا نقش نمایاں تھا۔ رئیس التحریر مولانا لیٰسین اختر مصباحی کے ہمراہ حاضر ہوا، فرمایا: آپ شش و پنج میں نہ رہیں، رجسٹریشن قانونی مراحل طے کریں اور کام کا آغاز کر دیں، تلاش و مطالعہ شروع کر دیں، اتنا مواد ملے گا، آپ حیران رہ جائیں گے۔ وہ دستگیری فرمائے گا جس پر آپ کام کریں گے، یہ تجربہ بھی ہے اور مشاہدہ بھی۔

اس نشست پر پہلی غیر مسلم، غیر ملکی امریکی خاتون اوشا سانیال اور ان کا موضوع حاوی رہا، موصوفہ کیلیفورنیا سے امام احمد رضا کی تحریر پر ڈاکٹریٹ کر رہی تھیں، مولانا اختر مصباحی، ڈاکٹر شرر مصباحی، مفتی محمد مکرم احمد اور لوگ موجود تھے۔ سب کی گفتگو کا محور امام احمد رضا رہے، ان کی فکر و شخصیت رہی۔ بین الاقوامی سطح پر ہونے والے کاموں کی رفتار کا جائزہ لیا جاتا رہا۔ جب ہم رخصت ہونے لگے تو پھر فرمایا: آپ پس و پیش نہ کریں، توکلا علی اللہ کام شروع کر دیں۔

اپنی طبیعت کی جو افتاد ہے، نظریاتی لحاظ سے اس کی بنیاد ہی بریلی اسکول کے گارے چونے سے پڑی ہے، پھر اس بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہے، اس کی ہر اینٹ محبت رضا کی مٹی، فکر رضا کے پانی اور ذکر رضا کی آگ سے پکائی گئی ہے۔ ظاہر ہے، وہ عمارت کیسے غیر متزلزل ہوگی۔ کوئی طاقت، دولت، کثرت ہرگز اثر انداز ہو ہی نہیں سکتی۔ خیر دفتری مراحل طے ہوئے، رجسٹریشن ہوا، اطلاع دی، خوشی سے اچھل گئے، مبارکباد دی، آٹھ صفحوں کا خط ارسال کیا، جس میں ہر اس بات کا واضح اشارہ تھا، مقالۂ تحقیق کی تدوین کے وقت جس کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں ایک حکم یہ تھا: آپ پاکستان کا پروگرام ضرور بنائیں، ایک مہینہ کافی ہوگا، اگر اتنی چھٹی نہ ملے تو پندرہ دن میں بھی آپ بہت کچھ سمیٹ لیں گے، یہ ضروری سمجھیں۔ یہ اصرار آمیز حکم سید والا شان سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی کا بھی تھا۔ حضرت سید صاحب سے تعارف و تعلق اتنا ہی قدیم ہے جتنا حضرت مسعود ملت سے۔ صبح کا سہانہ پن، سادگی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، دیوار و در پر نرم و نازک کرنیں رقص کر

رہی تھیں۔ میں کراچی پہنچا، کڑھی ہوئی دوپلی ٹوپی، کڑھا ہوا کلی دار کرتہ، کھلتا پائجامہ، پوشاک سب سفید، داڑھی آدھی سفید، آدھی سیاہ، سانولا رنگ، متوسط قد، ہاتھ میں تسبیح، روہیل کھنڈ کی خاص وضع میں حضرت سید صاحب ٹھیک میری بوگی کی سیدھ میں بنفس نفیس ایستادہ تھے۔ سلام کیا، گلے ملے، سیدھے اپنے گھر لے گئے، کہاں ایک ادنیٰ طالب علم اور کہاں ایک اعلیٰ ہستی کا استقبال۔ اس موقع سے میرے پیر و مرشد مفتی اعظم ہند کے مرید و مجاز جماعت اہل سنت پاکستان کے امیر، عالمی، علمی، روحانی قائد علامۃ المؤقر سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی نے فرمایا: ویزا، انٹری، قانونی و سفارتی کاروائی میرے حوالے کر دیں، علمی تعاون کا یقین دلایا اور کہا: پاکستان میں آپ جہاں چاہیں سفر کریں، اپنا مواد حاصل کریں، یہ میرا کارڈ رکھیں۔

سید والا شان کی ہمرہی میں حضرت مسعود ملت کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ مطلب کا ہر ورق پہلے تیار کر رکھا تھا، سامنے کر دیا، ہر اس شخص اور مقام کی نشان دہی فرمائی جہاں مطلوبہ مواد مل سکتا تھا، یہاں ایک ادبی شخص کا ذکر آیا، اصلی نام تھا عبدالحئی، ادبی نام خواجہ مشفق اور قلمی نام تھا خامہ بگوش۔ پہلے مسعود ملت عام موضوعات پر لکھ رہے تھے، ۱۹۶۷ء کے بعد رضویات کی طرف باقاعدہ متوجہ ہوئے، پھر کہیں پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ ایک دفعہ خواجہ مشفق نے حضرت سے مخاطب ہو کر کہا: ان دنوں عام موضوعات پر آپ کی تحریر نظر نہیں آتی، یک موضوعی میدان اپنا لیا ہے آپ نے۔ (اشارہ امام احمد رضا کی طرف تھا) مسعود ملت نے جواب دیا: ''یہ ایک موضوعی میدان اتنا وسیع ہے باہر جھانکنے کی فرصت ہی نہیں ملتی، یہاں سب کچھ ہے، سب کچھ ہر جگہ نہیں۔ کنارہ سے میدان کی وسعت اور ساحل سے سمندر کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا، ذرا اتر کر دیکھیں''۔

اندور سے کراچی پہنچے، دو عالم دین غالباً حضرت مولانا لیاقت رضا صاحب اور ان کے رفیق مسعود ملت سے ملنے ان کے گھر تشریف لائے، دوران گفتگو عرض کیا: حضور ایک مشہور عالم و فاضل، نامور مصنف و محقق اور پیر طریقت ہیں، مگر آپ کے نام کے ساتھ لازماً پروفیسر ڈاکٹر لکھا چھپا ہوتا ہے۔ مسکراتے ہوئے جواب مرحمت فرمایا ''بات سچ ہے، میری تحریر و تحقیق کا ہدف چوں کی جدید طبقہ ہے، وہ اسی کو طرۂ امتیاز سمجھتا ہے، اسی لیے یہ اختیار کیا گیا ہے، ورنہ نفس کا اس میں کچھ دخل نہیں''۔

مولانا آنولوی مسکناً کراچوی پروفیسر ایوب قادری نے اپنی زندگی میں بطور خاص دو سچ بولا اور لکھا ہے، ان سے یہ سچ مسعود ملت ہی نے بلوایا، سابق وزیر امور مذہبی مولانا کوثر نیازی سے مسعود ملت نے مکمل سچائی اگلوائی، حضرت مسعود ملت کے استفسار پر پروفیسر ایوب قادری نے لکھا تھا: ''مرزا غلام قادر بیگ بریلوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر قطعاً دو الگ الگ شخصیتیں ہیں، دونوں میں اصلاً کوئی تعلق نہیں''۔ پروفیسر ایوب قادری کا دوسرا سچ وہ ہے جو انہوں نے مشہور قلم کار مولانا عبدالماجد دریابادی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ مولانا دریابادی کی کتاب 'فلسفۂ اجتماع' اور 'فلسفۂ قیادت' پر جو امام احمد رضا نے شرعی گرفت کی تھی اس میں پروفیسر ایوب قادری نے امام احمد رضا کو حق بجانب اور مولانا دریابادی کو ناحق تسلیم کیا ہے، یہ ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۵ء کی بات ہے، یہاں بھی مسعود ملت ہی کی کارفرمائی ہے۔ مسعود ملت کام تو کرتے ہی تھے، جس کا زمانہ قائل ہے، کروانے کا بھی بڑا گہرا عرفان رکھتے تھے۔ ہر خط کا جواب کبھی مختصر، کبھی مفصل مگر دیتے ضرور تھے۔ نہ ٹال مٹول، نہ تاخیر، جواب تحریر کرتے، تسلی بخش کرتے، کبھی ایسا نہیں ہوا جواب نہ دیا ہو۔ فون کرنے پر ریسیور اٹھاتے، نرم گداز، ملائمت و ملاطفت سے پر آواز ابھرتی: ''السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟ والدین، بال بچے ٹھیک ٹھاک ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ کام کہاں تک پہنچا؟ دشواری کو دشوار نہ سمجھیں۔ یہ کثرت عجلت کا باعث ہے، کام یوں ہی ہوتا ہے، آسودگی تن آسانی لاتی ہے، جی ہاں، آپ کام کے آدمی ہیں، بندوں سے توقع کیا، دینے والا وہی ہے، حافظ و ناصر وہی ہے، توکلاً علی اللہ کیجیے، اس کی دستگیری ضرور ہوگی جس پر آپ کام کر رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ'' ایسی حوصلہ افزائی، ہمت بندھائی، بھلا لنگڑا کیوں نہیں دوڑے گا، کام ایسا ہوا کہ فضل رب سے ہند و پاک میں مثال قرار پایا۔

ڈگری ایوارڈ ہوئی، خوشخبری سنائی، مبارک بادی آئی، ۲۰۰۵ء میں کلیات مکاتیب رضا چھپی، تقدیم جو نہیں لکھ پائے تھے، تبصرہ لکھا، کتاب، صاحب کتاب پر سیر حاصل گفتگو کی، تبصرہ جو اس سے بہتر اور نہیں ہو سکتا تھا کا حق ادا کر دیا۔ ازیں قبل ۲۰۰۴ء میں 'پرواز خیال' کا مسودہ بھیجا، غرض نظر ثانی تھی، وہ تو ہوئی ہی، تقدیم تحریر فرمائی، کرم بالائے کرم اپنے ادارہ مسعودیہ سے چھپوا بھی دی، جو پورے پاکستان میں نہایت مقبول ہوئی۔ بحری ڈاک سے ۵۰/ نسخے مصنف کے لیے

بھجوائے۔ رسالہ المظہر ادارہ مسعودیہ کی تازہ بہ تازہ مطبوعات، امام ربانی فاؤنڈیشن کی مطبوعات، خصوصاً جہان امام ربانی کی جلدیں بھجوائیں۔ مارچ ۲۰۰۶ء میں مسعود ملت دہلی تشریف لائے، غالب اکیڈمی دہلی، امام احمد رضا کانفرنس منعقدہ ۲۱/ مارچ کو شرکت فرمائی، اسی سفر میں وہ پہلی اور آخری بار سرہند شریف میں ایوان مجددیہ پر حاضری دی، جب کہ دربار رضویہ میں بار بار حاضری لگائی، مذکورہ پروگرام کی خبر اور دعوت تھی مگر بوجوہ شریک نہ ہو سکا، متعدد بار فون پر ہم کلامی کا شرف ملا، عرض کیا، حاضر نہ ہو سکا، فرمانے لگے ''آتے، تو ایک دو بار ملاقات ہوتی، یوں تو کئی بار ہو گئی، جو بالمشافہ ملاقات سے بڑھ گئی''۔

امام ربانی سیمنار و کانفرنس ۲۰۰۷ء میں شرکت کی دعوت دی، عنوان دیا۔ 'تصانیف رضا میں اذکار امام ربانی' مضمون لکھا، ارسال کیا، جو مذکورہ سیمنار میں پڑھا گیا، فرمائش تھی، مضمون جو قدرے مختصر تھا مفصل کردوں، عدیم الفرصتی نے تکمیل کا موقع نہ دیا، جس کا مجھے قلق ہے، وہی مضمون 'جہان امام ربانی' غالباً بارہویں جلد میں شامل کر لیا گیا۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے زیر اہتمام امام احمد رضا سیمنار و کانفرنس منعقدہ ۱۷/ مارچ ۲۰۰۷ء بطور مہمان خاص بلایا گیا، حاضر ہوا، مقالہ پڑھا، یہاں مجھے گولڈ میڈل اور دیگر اعزازات سے نوازا گیا، اس موقع سے ادارۂ مسعودیہ اور امام ربانی فاؤنڈیشن کے اراکین نے استقبالیہ دیا۔ یہ استقبالیہ حضرت مسعود ملت کے ایما سے ہی رکھا گیا تھا، در دولت پر بار بار حاضری ہوئی، وہی عزت، وہی محبت، وہی تواضع اور وہی افادہ و فیض بخشی، اس مرتبہ نادر مخطوطات رضا کا ایک بنڈل یہ کہتے ہوئے عنایت فرمایا ''لے جایئے، کام کریں، عام کریں، آپ اس کے اہل ہیں''۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے صدر نشین حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری، جو میرے داعی، ہادی، میزبان، معلم ہوا کرتے ہیں کراچی میں۔ انہوں نے ایک بار فرمایا ''شمس مصباحی صاحب کھان پان میں بہت سست ہیں، دھان پان کا جسم لے کر کیا کام کریں گے؟'' مسعود ملت ہنستے ہوئے گویا ہوئے ''اس عمر میں، بہت کام کیا اور ابھی کرنا ہے، کام کے لیے کھانا بھی ضروری ہے، مگر کھانا جینے کے لیے ہے نہ کہ جینا کھانے کے لیے، کم خوری بدن چست رکھتی ہے، بسیار خوری تو سست بنا دیتی ہے'' اور پھر میری طرف التفات کرتے ہوئے فرمایا ''آپ کام کے ساتھ ساتھ کھانے پر بھی توجہ دیں، ابھی تو آپ کو اور بہت کام کرنا ہے، مستقبل کو سنبھالنا بھی ہے اور سنوارنا بھی''۔ اس سفر میں حضرت نے مجھے اتنی کتابیں دیں کہ میرا دامن لد گیا۔

نومبر ۲۰۰۷ء میں خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا چھپی جوان کو تاخیر سے پہنچی، اس پر اظہار خیال کا موقع نہ ملا، تا آں کہ مارچ ۲۰۰۸ء کے پہلے ہفتے دہلی تشریف لائے، ۷/ مارچ کو فتحپوری مسجد میں ۲۰۰۸ء کو نماز جمعہ سے قبل حضرت مفتی محمد مکرم احمد صاحب کی تقریر ہو رہی تھی، ہم اپنے احباب کے ساتھ وضو کر رہے تھے، حضرت اپنے اقارب کے ساتھ تشریف لائے اور اسی جنوبی دالان جس سے ان کے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں، میں ایک عام سے آدمی کی طرح مصلّٰی پر بیٹھ گیے، وضو کے بعد وہیں ہم نے سلام و مصافحہ کیا، خیریت پوچھی اور بغل میں بٹھا لیے، ساتھ نماز پڑھی، بعد نماز حجرہ میں تشریف لے گیے اور تفصیلی ملاقات و گفتگو ہوئی، اس نشست میں وہ تھے، ان کے اقارب و احباب تھے، ہم تھے اور ہمارے ساتھ ممبئی سے گیے مولانا مجیب الرحمٰن نوری، جامعہ ملیہ کے ریسرچ اسکالر سجاد عالم مصباحی اندور سے تشریف لائے مولانا عبدالعلیم رضوی اور مولانا رحمت اللہ صدیقی تھے، ہر ایک کا تعارف ہوا، مولانا صدیقی کا جب تعارف ہوا، تو ان کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا ''لگتا ہے آپ کا مزاج جلالی ہے، چلیے اس کی بھی ضرورت ہے''۔ چائے، بسکٹ سے تواضع کی گئی، خطوط مشاہیر کا ایک سیٹ پھر ہم نے دیا، تازہ چھپی کتاب 'امام احمد رضا خطوط کے آئینہ میں' دی، چھک کر فرمایا ''جی ہاں! یہ کام ہے، وہ سب تو اصل مواد و ماخذ ہے، اب اس کا مغز نکال کر تجزیہ کرنا، حقائق بیان کرنا اور پھیلانا ہے، انشاء اللہ فرصت سے دیکھوں گا''۔ کہہ کر کتاب رکھ دی، حضرت مفتی محمد عیسٰی رضوی کی کتاب 'فرمودات اعلٰی حضرت' بھی پیش کی، مولانا صدیقی صاحب نے پیغام رضا نذر گزاری۔ مولانا عبدالعلیم صاحب جو امام احمد رضا کے تفصیلی نکات پر مقالہ ڈاکٹریٹ لکھ رہے ہیں، ان کے مواد و کام کا جائزہ لیا، رہنمائی کی، حوصلہ افزائی فرمائی، مولانا سجاد عالم صاحب کے موضوع و مواد کا پوچھا، ہمت بندھائی، حوصلہ بڑھایا، جو گزارش میں نے کراچی میں کی تھی یہاں بھی کی، یعنی پندرہ جلدوں پر مشتمل 'حیات امام احمد رضا' کا جو خاکہ انہوں نے برسوں پہلے مرتب فرمایا اور متعدد بار متعدد جگہوں سے چھپا، اس کی ترتیب و تکمیل، فرمایا ''جی ہاں! یہ کام اب ہو جانا چاہیے، مواد سب موجود ہے، بس مرتب کرنا ہے، دیکھیے

میرے قویٰ اب کمزور ہو گیے، آپ جیسے نوجوانوں کی ٹیم سامنے آئے اور کام تقسیم کر دیا جائے تو یہ کام مشکل نہیں، ایک دو جلد کا کام تو تقریباً آپ نے کر دیا ہے، اللہ نے چاہا تو یہ کام بھی ہو جائے گا"۔

'جہان امام ربانی' کا پروجیکٹ چوں کہ مکمل ہو چکا تھا، اس لیے دائرۂ مذکورہ کی تکمیل کا امکان بہت کچھ روشن ہو چلا تھا اور وہی اس میں باحسن انداز رنگ بھر سکتے تھے جس نے یہ خاکہ کھینچا تھا۔ مگر کس کو خبر تھی اس زمیں کی پستیوں میں وہ آسماں سو جائے گا جس کے سایہ میں حیات امام احمد رضا بسیط کا کام پورا ہونا تھا۔

۸/مارچ کو بھی شرف نیاز حاصل رہا، یہ ملاقات ظہر سے پہلے فتحپوری مسجد کے مشرقی حصہ کے بالائی منزل حضرت مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد صاحب کی قیام گاہ پر ہوئی، اندور سے آئے ان کے بھانجے بھی تھے جن کے چہرے، بشرے سے سعادتمندی نمایاں تھی، حاضر ہوا، مشروب پلایا گیا، فرمایا "جہانِ امام ربانی کی بقیہ جلدیں بحری ڈاک سے آ رہی ہیں، آج آ گئیں تو آپ لے لیں، ورنہ بعد میں یہیں سے وصول کر لیں"۔ وہ جلد بھی دکھائی جس میں میرا مقالہ شامل ہے، عرض کیا: حضور! میرا بچہ محمد رمان رضا بیمار ہے، پوچھا: کیا ہوا؟ عرض کیا: کھیل کود میں سامنے کے دونوں ثنائی دانت ٹوٹ گیے ہیں، علاج ہو رہا ہے، اس لیے آج شام واپسی ہے، یہ ملاقات الوداعی ہے۔ فرمایا: ضرور جائیے، علاج معقول کرائیں، بچوں کی صحت کا خیال رکھیں، تعلیم و تربیت ایسی دیں کہ وہ آپ کا نام روشن کریں، آپ کا نمونہ رکھیں۔ عرض کیا: میری ماں بہت بیمار ہیں، سخت شدت ہے، جن کی محنتوں اور دعاؤں نے مجھے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، پوچھا کیا عمر ہے؟ عرض کیا: یہی کوئی ۷۰/کے آس پاس، فرمایا: "جی ہاں، یہ تو عمر طبعی کا تقاضا ہے، خدا ان کو سکون و راحت و عافیت عطا فرمائے اور آپ پر ان کا سایہ دراز رکھے۔ آپ کی خو، بو سے آپ کی والدہ کی سیرت و کردار کا پتہ چلتا ہے، اب ایسی مائیں کہاں، آپ ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں، یہ بڑی سعادت ہے"۔ آخری عرض یہ کی: میرے علمی کام کی بنیاد و نہاد میں جس طرح آپ کا مشورہ و تعاون اور دعا شامل ہے، آئندہ اسی کی توقع ہے، بزرگوں کی دعائیں ہی میری پونجی ہیں۔ فرمایا "جی ہاں! اب آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں، آپ کے کام نے ہر دل میں گھر کر لیا ہے، ہر زبان پر دعا ہے، ہر دل میں محبت ہے، کام تو آپ ہی کو کرنا ہے، ہم تو ریٹائر ہو رہے ہیں، علمی کام کے نہج سے اب آپ مانوس ہو چلے ہیں، خود دوسروں کی رہنمائی کریں، ہاں! اپنا کام جاری رکھیں، یہی آخرت کا سرمایہ ہے"۔ بچوں کی صالحیت اور رزق میں برکت کے لیے درخواست گزاری، فرمایا "گلاب کے پودے سے گلاب ہی کھلتا ہے، آپ نے جو یہ نام رکھا ہے، جوہی، رمان، ریان، سب شجریات ہیں، آپ ہی فلکی ہیں، سب شاداب رہیں گے، خوشبو پھیلائیں گے، انشاء اللہ، صبر و قناعت اور تحمل و توکل کا جو آپ نے مظاہرہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، عنقریب آپ کو ان کا ایسا صلہ عطا ہوگا، آپ کو حیرت ہوگی"۔ رخصت کی اجازت چاہی، دعا کی درخواست کی، دونوں ہاتھ اٹھائے، دعا فرمائی، دم کیا، سر پہ ہاتھ رکھا اور میں نے سلام و دست بوسی کر کے اپنی راہ لی۔

ممبئی آیا، دو چند یوم کے بعد سید والا تبار صاحب زادہ حضرت سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی کا فون آیا، رضا اکیڈمی لاہور کے روح رواں محبوب العلما حضرت الحاج مقبول احمد ضیائی قادری کوما میں ہیں، حاجی ضیائی صاحب میرے کرم فرما ہیں، فدائے اعلیٰ حضرت ہیں، نام رضا اور کام رضا پر جان چھڑکتے ہیں، رضویاتی لٹریچر کی طباعت اور دنیا بھر میں تقسیم و ترسیل ان کا مقصد زندگی ہے، احسان شناسی کے ناطے سب سے پہلے میں نے حضرت ضیائی صاحب کے اکلوتے صاحب زادے حافظ محمد طاہر رضوی کو فون کیا اور پوزیشن معلوم کی، رضا اکیڈمی لاہور کے مشیر خاص، پیکر علم و اخلاق علامہ منشا تابش قصوری کو فون کیا، قلمی و فکری میدان میں پاکستانی علامہ ارشد القادری حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی کو فون کیا، برابر خبر گیری، بیمار پرسی کرتا رہا، یہاں تک کہ حضرت الحاج موت سے لڑتے لڑتے آخر کار موت کو سر دست تو شکست دے دی، مگر نرغے سے باہر نہیں آ سکے۔ خدا ان کی عمر دراز فرمائے۔ ہندوستانی علما و احباب کو فون کیا اور دعائے صحت کی اپیل کی، ان سے پہلے حضرت مسعود ملت کو اطلاع دینے کے لیے مفتی مکرم احمد صاحب کو فون کیا، معلوم ہوا اپنی ہمشیرہ کے یہاں اندور تشریف لے گیے ہیں۔ اندور میں ان کے بھانجے کا فون لیا، دہلی میں جن سے ملاقات ہو چکی تھی اطلاع دی، گہری تشویش کا اظہار فرمایا، دعا فرمائی، میں نے حضرت کو حافظ محمد طاہر صاحب کا فون نمبر نوٹ کرایا، اندور سے دہلی واپسی ہوئی، آخری بار الوداعی برقی رابطہ کیا، دعائیں لیں۔ ۲۸/فروری

کو کراچی تشریف لے گئے، ٹھیک ایک ماہ بعد ۲۸ر اپریل رات عشا کی نماز پڑھ کر دائیں طرف سلام پھیرا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، بائیں طرف سلام پھیرا، برودت نظر محمد رمان رضا نے موبائل ہاتھ میں دیا، جی وجاہت کرم فرما، حضرت سید وجاہت رسول قادری کی دل گیر آواز ابھری ”السلام علیکم، اندوہ ناک خبر یہ ہے، حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کا انتقال ہو گیا“، میرے پوچھنے پر بتایا: آج ظہر بعد بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا، اسپتال لے جائے گئے، جہاں یہ حادثہ پیش آیا، سن کر سکتہ میں آ گیا، اہل خانہ اور بچے جو سراپا سوال تھے، سن کر سراپا تصویر غم بن گئے، آنکھیں برس پڑیں، دل ڈوب گیا، تھوڑی دیر بعد نمازیں پوری پڑھیں، فاتحہ پڑھا، دعا کی، دعائے مغفرت و بلندئ درجات کی، فون اٹھایا، سب سے پہلے حضرت کے اکلوتے صاحب زادے حضرت ڈاکٹر محمد مسرور احمد صاحب کو فون لگایا، ان کی جگہ ان کی ہمشیرہ نے ریسیور اٹھایا، ان کے دل بریاں کا دھواں اور نظر گریاں کی برسات کا احساس مجھے یہاں ہوا، ان سے، ان کی والدہ محترمہ سے اور غائبانہ حضرت مسرور میاں سے تعزیت کی، پھر یہاں کے علما اور دانشوروں کو جو کبھی میں حضرت مسعود ملت کی ہند آمد کی خوشخبری سناتا تھا، روندھی ہوئی آواز میں آج یہ حسرت آیات اطلاع دینی پڑی، جو جہاں سنا، سناٹے میں پڑ گیا، آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اخبارات میں سانحہ ارتحال کی خبر چھپوائی، تعزیتی بیانات و پیغامات چھپوائے۔
۲۹ر اپریل کو بھی برابر رابطہ رہا، ظہر بعد نماز جنازہ ہوئی، بعد نماز عصر تدفین عمل میں آئی۔ جلوس جنازہ سے لوٹتے ہی یہ خبر مجھے علمی و عالمی مبلغ و خطیب اہل سنت حضرت علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی صاحب نے سنائی اور فرمایا ”دل بڑا اچاٹ ہے، آپ کی ’خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا‘ آج ہی ملی، سامنے ہے، مبارک ہو، کیا کام کیا ہے آپ نے، بعد مطالعہ اپنے تأثرات کا اظہار خیال کروں گا“۔

اے **مسعود ملت**! آہ!! موت نے آپ کو پچھاڑ دیا۔ اے کاش! آپ موت کو پچھاڑ دیتے، تو دائرۂ امام احمد رضا کا خواب جو آپ نے برسوں پہلے دیکھا تھا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا۔ ع

اے بسا آرزو کہ خواب شدہ

(یکم مئی ۲۰۰۸ء)

□□□

مادہ ہائے سن وصال

مسعود ملت، ماہر رضویات، جامع جہان امام ربانی

حضرت پیر ڈاکٹر **محمد مسعود احمد** قدس اللہ سرہٗ

ولادت: ۱۳۴۹ ہجری ☆ آغاز سفر ☆ اثر رحمت

۱۹۳۰ عیسوی ☆ فرش اسلوب، سعادت منش

عمر ہجری: ۸۰ برس ☆ عطا ☆ نیک ☆ حبیب

وفات: ۱۴۲۹ (1429)

☆ صاحب کرم امام ربانی مجدد الف ثانی ☆ خواند، ان اللہ یحب المتقین ☆ راست: ان اللہ یحب المتقین ☆ منزلت: فادخلی فی عبادی ☆ تبحر مدرسہ عشق ☆ مسعود ملت مدرسہ عشق ☆ بگوا ئے محبت، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ☆ داعی حق، مخدوم اہل سنت ☆ صاحب ہمت پروفیسر محمد مسعود احمد ☆ مدین، اللہم ادخلہ فی الجنۃ ☆ فقیہ خوان بریلی و سرہند ☆ آں پروفیسر محمد مسعود احمد قدس اللہ سرہ ☆ دانا قدر ایوان رضا ☆ غریق حب حنان ☆ طالب خیر نقش بندی مجددی ☆ آہ زاہد نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

وفات: 2008ء

☆ آہ! جامع رضویات نیز جہان امام ربانی
☆ باسعادت، ان اللہ عندہ اجر عظیم
☆ برحق: و لمن خاف مقام ربہ جنتن
☆ سنی، علیہ الرحمۃ والرضوان
☆ وکیل فیضان رضا
☆ دانائے فیضان رضا
☆ پاکیزہ طینت، تحفہ رضا
☆ حال، تابع شریعت و سنت
☆ طوبا، عاشق اعلیٰ حضرت
☆ مسعود زمان، اولئک علیہم صلوات من ربہم و رحمۃ
☆ عالم علم دین، ماہر رضویات

از: (مولانا) کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی، پاکستان)

کیا دہشت گردی کا عالمی مسئلہ نظر ثانی کا تقاضا کرتا ہے؟

نوٹ :- ماہنامہ ''جام نور'' اپنے اس کالم میں عصر حاضر کے کسی بھی مسئلہ کے تحت ہندوستان کے نامور علمائے کرام و دانشوران قوم و ملت سے ان کی تحریری رائے لیتا ہے۔ موصول ہونے والی آراء خواہ وہ مثبت یا منفی پہلو پر ہوں، شائع کی جاتی ہیں تاکہ متعلقہ مسئلے کے دونوں پہلو ارباب علم و نظر اور عام قارئین تک پہنچ سکیں اور متعلقہ مسئلہ پر علمائے کرام و دانشوران قوم کی تحقیقی و تجزیاتی رائے کی روشنی میں مسئلے کے صحیح نتائج برآمد ہو سکیں، علماء و دانشوران کی سہولت کے پیش نظر مندرجہ بالا سوال سے متعلق چند ذیلی نکات بھی دیے گئے تھے، تاکہ مندرجہ ذیل خطوط پر دلائل و براہین کے ساتھ وہ اپنا تحقیقی جواب دے سکیں .... (ادارہ)

نکات

{۱} ملکی اور عالمی میڈیا کے توسط سے دہشت گردی کا جو مفہوم ذہنوں میں اتارا گیا ہے وہ اپنے آپ میں کتنا درست ہے؟

{۲} مسلسل پروپیگنڈے کے تحت دہشت گردی کا رشتہ مسلمانوں سے جوڑ دیا گیا ہے، اس سوچ کے اندر کتنی سچائی ہے؟

{۳} ملکی اور عالمی سطح پر انسداد دہشت گردی کی جو مہم جاری ہے، یہ کس حد تک مثبت اور نتیجہ خیز ہے؟

{۴} مسلمانوں پر الزام دہشت گردی کے رد عمل میں مسلم علماء، قائدین اہل دانش اور مسلم میڈیا نے جو کچھ کیا، وہ کس حد تک تعمیری اور مفید ہے؟

{۵} دہشت گردی کا صحیح مفہوم کیا ہے اور انسداد دہشت گردی کے درست طریق کار کیا ہیں؟

> ''اگر واقعی پوری دنیا سے دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو دنیا کے تمام لوگوں کو ایک نگاہ سے دیکھنا ہوگا- اُن کے انسانی اور بنیادی حقوق کی نگہبانی کرنی ہوگی اور ہر طرح کے استحصال سے دنیا کی تمام اقوام کو بچانا ہوگا- تبھی دہشت گردی کو جڑ سے ختم کیا جا سکتا ہے'' ______ ڈاکٹر خواجہ اکرام☆

۱- **دہشت گردی** کا جو مفہوم عالمی میڈیا نے عوامی سطح پر عام کیا ہے وہ سراسر غلط اور تعصب پر مبنی ہے تعصب اس لیے کہ اس لفظ کے اندر بھرے زہر اور نفرت کے حوالے سے مسلمانوں کو نشانہ بنانا تھا اسی لیے اس لفظ کا مفہوم اور اس کی تعبیر و تشریح بھی اس انداز سے کی گئی تاکہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا ہدف حاصل کیا جا سکے، حالانکہ دہشت گردی کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن آج جس انداز سے اس کو پیش کیا جا رہا جیسے یہ آج کے دور کا کوئی نیا مسئلہ ہو اور دہشت گردی کو عالمی میڈیا نے جس طرح ہوا بنا رکھا ہے جیسے یہ صرف مسلمانوں کی پیدا کردہ مصیبت ہے، جبکہ سچائی یہ ہے کہ دہشت گردی کی ابتدا حکمرانوں سے ہوتی ہے، لیکن تشدد پر مبنی اقدامات اور احکامات کو نائن الیون سے پہلے نہ تو امریکہ اور نہ ماضی کے سپر پاور روس نے اس طرح کے واقعات کو دہشت گردی کا نام دیا- افغانستان میں جب روس اپنی بربریت کا ثبوت دے رہا تھا تو کیا وہ دہشت گردی نہیں تھی؟ یا امریکہ ویتنام اور ہیروشیما پر بم برسا رہا تھا تو کیا وہ دہشت گردی نہیں تھی- اگر ماضی کی بات نہ بھی کریں تو ابھی امریکہ اور اتحادی افواج عراق اور افغانستان میں جو کچھ کر رہی ہیں کیا وہ دہشت گردی نہیں ہے؟ بالکل ہے اور اس سے بڑی کوئی دہشت گردی ہو ہی نہیں سکتی کہ کسی ملک پر قابض ہو جائیں اور عوام کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیں، لیکن آج کا میڈیا دہشت گردی کرنے والے کو دہشت گرد نہیں کہتا بلکہ جو دہشت گردی کے شکار اور مظلوم ہیں وہ دہشت گرد ہیں- دہشت گردی تو یہ ہے کہ کوئی اپنی ذاتی، ملکی، سیاسی یا اقتصادی طاقت کا منفی استعمال اس طرح کرے کہ اخلاقی، قانونی اور آئینی اعتبار سے غلط ہو- ابھی ہیلری کلنٹن نے اپنے انتخابی مہم کے دوران یہ کہا کہ اگر میں منتخب ہوتی ہوں اور ایران نے اپنا جوہری

☆WF,06-Barhamaputra Hostel,Poorvanchal,J.N.U,New Delhi-67

پروگرام بند نہ کیا تو اُسے نیست و نابود کردوں گی- ہیلری کلنٹن کا یہ بیان بھی سیاسی دہشت گردی ہے، لیکن عالمی میڈیا اسے امن قائم کرنے کی کوشش سے تعبیر کر رہا ہے- اس صورت حال میں دہشت گردی کا یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ طاقتور ممالک جو بھی کریں وہ دہشت گردی نہیں ہے لیکن ترقی پذیر اور پسماندہ اقوام اگر اپنے حق کی آواز بھی بلند کریں یا وہ کام کریں جو امریکی اور مغربی ممالک کر رہے ہیں تو وہ دہشت گردی ہے- دہشت گردی کا یہ دُہرا پیمانہ اور حسب ضرورت اس کی تشریح کسی بھی طرح درست نہیں ہے، اس لیے عالمی میڈیا (جسے ہم امریکی میڈیا کہیں تو زیادہ درست ہے) جو بھی کہے اور جو بھی تشریح پیش کرے نہ تو کوئی تسلیم کرتا ہے اور نہ کرے گا کیونکہ یہ سب منصوبہ بند مفاہیم ہیں-

۲- اس سوچ کے اندر ذرا برابر بھی سچائی نہیں- اول تو یہ کہ دہشت گردی کو مذہب سے جوڑ کر دیکھنے کی کوشش کی گئی اور وہ بھی صرف اسلام اور مسلمان سے جوڑا گیا، اور یہ سب جانتے ہیں کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں تو ایسی صورت میں صرف اسلام سے جوڑنا یقیناً اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی سازش ہے، ورنہ دنیا کے اور بھی بہت سے مذہب ایسے ہیں جن کے ماننے والے دہشت گردی میں ملوث ہیں لیکن اُن کی کاروائیوں کو اُن کے مذہب سے جوڑ کر نہیں دیکھا جاتا- دوسری جانب یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جب یہ ہوا چلی تو سب سے زیادہ مسلم دانشور اور علماء ہی تھے کہ انھوں نے اس کی مخالفت کی اور اسے غیر شرعی کہا اور اس کے مقابلے دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے اس طرح کھل کر دہشت گردی کی مخالفت نہیں کی- باوجود اس کے مسلمانوں سے جوڑ کر دیکھنے کی یہ سازش اور ہٹ دھری مغربی ممالک کی ایک طرح سے دہشت گردی ہی ہے-

۳- انسداد دہشت گردی کے لیے کوئی بھی مہم یا کوشش اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک دہشت گردی کو نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہے کیا؟ معاملہ یہ ہے کہ ابھی تک دہشت گردی کے خلاف جو مہم جاری ہے وہ صرف مسلمان اور مسلم ممالک کو نشانہ بنا کر کیا جا رہا ہے اور المیہ یہ ہے کہ صف اول میں جو ملک کھڑا ہے وہ بھی مسلم ملک ہے- ایک طرف وہ انسداد کی کوشش بھی کر رہا ہے اور دوسری جانب اسے ہی دہشت گرد کہا جا رہا ہے، یہ تو عالمی صورت حال ہے- ملکی سطح پر اس سے بھی مایوس کن صورت حال ہے، کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو دہشت گردی ہے مگر منی پور اور آسام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ دہشت گردی نہیں، یا تشدد پسند نکسلی تنظیمیں آئے دن جو خون خرابہ کر رہی ہیں اُسے دہشت گردی نہیں کہا جا رہا ہے اور حد تو یہ ہے کہ جب مہاراشٹرا میں نو نرمان سینا اور شیو سینا کھلے عام دہشت گردی مچاتے ہیں تو اُسے دہشت گردی سے تعبیر کرنا تو دور کی بات ہے حکومت خود ہی سہمی ہوئی نظر آتی ہے- انتہا پسند ہندو تنظیمیں جو بھی فتنہ پھیلائیں وہ دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آتا ہے، جب یہ حالت ہوگی تو ملک میں بھی بنائے جانے والے تمام قوانین دہشت گردی کو جڑ سے نہیں ختم کر سکتے اور نہ کوئی مہم کارگر ہوسکتی ہے- ضرورت ہے کہ فتنہ پھیلانے والے تمام لوگوں کو بلا امتیاز مذہب و ملت دہشت گرد کہا جائے اور ایک ہی ترازو میں تولا جائے-

۴- یہ علماء، مسلم دانشوروں، مسلم میڈیا اور کچھ سیکولر اور روشن خیال غیر مسلم میڈیا کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اب بادل چھٹنے لگے ہیں اگر اس سمت میں شد و مد کے ساتھ مدافعت اور صحیح صورت حال سے عوام کو واقف نہ کرایا جاتا تو شاید آج کے حالات ۱۸۵۷ء سے بھی خراب ہوتے- ۱۸۵۷ء میں ملک پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے یہی تو کیا تھا کہ ہر طرح سے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرا کر انھیں ہر طرح کی سرکاری مراعات سے دور رکھا جس کے نتیجے میں ہندستان کے مسلمان سو سال پیچھے چلے گئے، اس عہد میں بھی ملکی سطح پر یہی کوشش کی گئی تھی لیکن مشترکہ کوششوں کے سبب مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازش ناکام ہو رہی ہے، لیکن صرف اتنی ہی سعی کر کے خاموش بیٹھ جانے کا وقت نہیں ہے بلکہ سیکولر طاقتوں کے ساتھ مل کر اسے مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے-

۵- دہشت گردی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی فرد، جماعت، تنظیم، ادارہ یا ملک اگر طاقت و قوت کا استعمال اس طرح کرتا ہے کہ اس سے کسی کا استحصال، جانی و مالی نقصان، حقوق انسانی کی پامالی ہوتی ہے یا اس سے کسی قوم یا ملک کی اپنی تہذیبی و ملکی شناخت کو ٹھیس لگتی ہے تو یہ دہشت گردی ہے- اس دہشت گردی میں فرد بھی ملوث ہوسکتا ہے اور کوئی خاص ملک اور میڈیا بھی ہوسکتا ہے، اس لیے اگر واقعی پوری دنیا سے دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو دنیا کے تمام لوگوں کو ایک نگاہ سے دیکھنا ہوگا- اُن کے انسانی اور بنیادی حقوق کی نگہبانی کرنی ہوگی اور ہر طرح کے استحصال سے دنیا کی

تمام اقوام کو بچانا ہوگا۔ تبھی دہشت گردی کو جڑ سے ختم کیا جاسکتا ہے، اب اس پیمانے پر طاقتور ممالک اور اقتصادی طور پر مضبوط میڈیا کو اپنا محاسبہ کرنا ہوگا، اگر ایسا ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے دہشت گردی کو ختم کیا جاسکتا ہے کیونکہ موجودہ عہد میں دہشت گردی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے جتنا کہ اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے، اسی غلط افواہ اور ہنگامہ آرائی کے چلتے اصل دہشت گرد تو بچ جاتے ہیں اور جو معصوم اور بے گناہ ہیں وہ مورد الزام ٹھہرتے ہیں اور انسداد دہشت گردی کی تمام کوششیں غلط سمت میں جاری رہتی ہیں۔ □□□

> ❝ ایک مخصوص فرقے کو نشانے پر رکھ کر ساری انسدادی مہم چلائی جارہی ہے، اس لیے اس کا نتیجہ ظاہر ہے، دہشت گردی کے انسداد کے لیے انصاف پسندانہ نظریے اور مہم کی ضرورت ہے، جس کا ابھی عالمی وملکی دونوں سطحوں پر فقدان ہے ❞
>
> ــــــــــ ڈاکٹر انور پاشا☆

(۱) اس میں کوئی دورائے نہیں کہ دہشت گردی آج کا ایک عالمی فینومینا کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، دنیا کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جو آج دہشت گردی کی زد میں نہیں ہے، دہشت گردی کی مختلف شکلیں ہیں اور اس کے اسباب بھی مختلف۔ دہشت گردی کی ایک شکل وہ ہے جو اسٹیٹ یعنی ریاست کی جانب سے مسلط کی جاتی ہے۔ دہشت گردی کی دوسری شکل وہ ہے جو دنیا کی بڑی طاقتوں کی جانب سے اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے جاری وساری ہے۔ دہشت گردی کی تیسری صورت وہ ہے جو جابر قوتوں کے خلاف مدافعت کے طور پر مظلوم قوتوں کی جانب سے اختیار کی گئی ہے، دہشت گردی کی چوتھی شکل وہ ہے جو فرقہ وارانہ اور فسطائی ذہن کی پیداوار ہے۔ لیکن دہشت گردی کی ان تمام شکلوں کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھنے سمجھنے اور اس کے تدارک اور خاتمے کے لیے مناسب اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ملکی میڈیا یا عالمی میڈیا کے ذریعہ دہشت گردی کو جس طرح غلط تناظر میں دیکھا جارہا ہے اور عوام کے ذہنوں میں اس کی جو شبیہ اتاری جارہی ہے وہ گمراہ کن اور متعصبانہ ہے۔

(۲) عالمی اور ملکی دونوں سطحوں پر متعصب، فسطائی اور سامراجی قوتوں کی جانب سے جس طرح دہشت گردی کو ایک مخصوص فرقے سے جوڑ دیا گیا ہے وہ ایک منظم سازش کا نتیجہ ہے، ایک مخصوص فرقے کو دہشت گردی کے ساتھ منسلک کرنا اسی طرح کی ذہنیت کا غماز ہے۔ عالمی اور ملکی سطح پر معروضی اور انصاف پسند نظریہ رکھنے والی قوتیں اس متعصب اور فسطائی سازش کے خلاف سرگرم بھی ہیں اور دنیا کی ایک بڑی آبادی کو اس بات کا احساس ہے کہ دہشت گردی کے سلسلے میں ایسا متعصب نظریہ اختیار کرنا نہ صرف گمراہ کن ہے بلکہ دہشت گردی کے تدارک کی راہ کی بڑی رکاوٹ بھی ہے۔

(۳) ملکی اور عالمی سطح پر چونکہ دہشت گردی کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی جارہی ہے، بلکہ ایک مخصوص فرقے کو نشانے پر رکھ کر ساری انسدادی مہم چلائی جارہی ہے، اس لیے اس کا نتیجہ ظاہر ہے، دہشت گردی کے انسداد کے لیے انصاف پسندانہ نظریے اور مہم کی ضرورت ہے، جس کا ابھی عالمی وملکی دونوں سطحوں پر فقدان ہے۔

(۴) مسلمانوں پر الزام دہشت گردی کی پوری مہم کی زمام مغربی قوتوں بالخصوص امریکہ اور اسرائیل کے ہاتھوں میں ہے، لہٰذا اس الزام کے خلاف محاذ آرائی بھی اسی سطح پر ہونی چاہیے تھی۔ لیکن مسلم ممالک کی جو سیاسی صورت حال ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ میڈیا کے حوالے سے بھی مسلم فرقے کی صورت حال بہتر نہیں، یہ دور میڈیا کا دور ہے، دہشت گردی کے حوالے سے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانے کا پروپگنڈہ بھی امریکی و اسرائیلی میڈیا کی ہی شر انگیزی کا نتیجہ ہے، لیکن مسلم دنیا میڈیا کی سطح پر قلاش ہے، ملکی سطح پر گرچہ مسلم علماء اور دانشوروں نے حتی المقدور اس سلسلے میں کوششیں کی ہیں، لیکن وہ کوششیں زیادہ تر اردو اخبارات یا میڈیا تک محدود ہیں، ملک کے قومی ومرکزی دھارے والے میڈیا میں ان کی آواز کو اہمیت نہیں دی جاتی، یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے، مرکزی دھارے والا قومی میڈیا مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈے میں تو خوب پیش پیش رہتا ہے لیکن مسلمانوں کے ذریعہ کی جانے والی مثبت کاوشوں کو بلیک آؤٹ کر دیتا ہے۔ بہر کیف! مسلم دانشوروں اور علماء کو اپنے تعمیری اقدام کو جاری رکھنا چاہیے۔

(۵) دہشت گردی کا صحیح مفہوم اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے دہشت اور تشدد کا استعمال کرنا ہے، اگر کوئی فرد یا جماعت یا حکومت اپنے

☆T-69,New Transit House,J.N.U,New Delhi-67

مفادات کی تکمیل کے لیے معصوم انسانوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے تشدد اور دہشت گردانہ حربے کو اختیار کرتی ہے تو وہ دہشت گردی کا مرتکب ہوگی- یہ عمل انسانیت کشی کے عمل کے مترادف ہے- لہٰذا اسے کسی بھی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ مذہب کی رو سے، انسانیت کی رو سے اور انصاف کی رو سے سراسر ناجائز اور قابل مذمت ہے-□□□

> ❝جب تک انصاف کا سلوک اور تمام انسانوں کو مساویانہ انسانی حق حاصل نہ ہوگا، تب تک امن وسلامتی کی باتیں اور اس کا تصور محض خام خیالی ہے❞
>
> ______ **ڈاکٹر اخلاق احمد آہن**☆

ملکی اور عالمی میڈیا کا بیشتر حصہ دہشت گردی کے تعلق سے جو تصور لوگوں کے ذہن ودماغ میں میں ترسیل کرتا رہا ہے، وہ عموماً گمراہ کن ہے- سب سے پہلے تو یہی بات واضح ہو جانی چاہئے کہ دہشت گردی کے تعلق سے اس تمام ہو ہنگامہ کے باوجود اب تک اقوام متحدہ یا عالمی برادری کوئی ایسی تعریف پیش نہیں کر پائی ہے، جو سب کو قابل قبول ہو- ظاہر ہے جس تصور کی تعریف ہی نہ ہو سکی ہو، اس کی تفہیم اور اس سے متعلق باتیں کہاں تک درست ہو پائیں گی؟

ابھی دہشت گردی کا نام ہے، کل کچھ اور تھا اور کل کچھ اور عنوان ہوگا- ایمانداری کی بات یہ ہے کہ باطل فکر کو اسلام سب سے بڑا خطرہ نظر آتا ہے- اسی لیے اس نوع کے افکار ونظریات کے متعصب اور ہٹھ دھرم نمائندے مختلف سازشوں، ہتھکنڈوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں کے سہارے اسلام کی غلط شبیہ پیش کر کے آج کے مادہ پرستانہ سماج میں پل رہی روحانی اور اخلاقی اعتبار سے تشنہ انسانیت کو اس سے دور کرنے کے لیے ہمہ دم کوشاں ہیں- وہ ہر اس حرکت یا جرم کو جو کسی مسلمان سے سرزد ہوتا ہے، اسے اسلام سے جوڑ کر اسے بدنام کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں اور کئی بار دیکھنے میں یہ بھی آتا ہے کہ کسی نہ کسی بہانے عام مسلمانوں کو مشتعل کر کے انہیں کسی ناشائستہ حرکت میں ملوث کرنے کی بھی سعی کرتے ہیں- 'اسلامی دہشت گردی' ایسی اصطلاح ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ 'اسلامی چوری' یا 'اسلامی ڈاکہ زنی' یا 'اسلامی جھوٹ' وغیرہ- ناچیز نے اپنے حالیہ دورۂ امریکہ کے دوران ویسٹ ورجینیا میں منعقدہ حقوق انسانی سے متعلق ایک بین الاقوامی سیمینار میں بعض سامراج نواز اور صہیونی دانشوروں کے اس نوع کی اصطلاحات اور پروپیگنڈہ کی سخت تنقید اور مخالفت کی- کسی بھی صاحب فہم ودانش کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ جس طرح جھوٹ، فریب، قتل وغارت گری کا اسلام یا کسی برحق مذہب سے تعلق نہیں ہو سکتا، اسی طرح دہشت گردی کو بھی کسی مذہب سے نہیں جوڑا جاسکتا اور یہ بھی کہ ہر مذہب کے پیروکاروں میں ان جرائم کا ارتکاب کرنے والے افراد موجود ہیں-

عظیم صوفی اور شاعر مولانا رومی کا ایک شعر ہے کہ:

خشتِ اول چون نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

چوں کہ اس تمام پروپیگنڈہ اور ساتھ ہی بد دیانتی اور بدنیتی کی بنیاد پر پھیلائے گئے مختلف سیاسی حربے، ہتھکنڈے، جو دنیا بھر کے کروڑوں کمزور اور مظلوم عوام کی حق تلفی، ذلت اور بیزاری کا سبب بن رہے ہیں، لوگوں میں غم وغصہ کا اصل سبب ہیں- جب تک انصاف کا سلوک اور تمام انسانوں کو مساویانہ انسانی حق حاصل نہ ہوگا، تب تک امن وسلامتی کی باتیں اور اس کا تصور محض خام خیالی ہے-

اس تمام غلط پروپیگنڈے کے فروغ اور اس کی عمومیت کی وجہ مسلم دنیا کی طرف سے مساوی سطح کی کوششوں کا فقدان ہے- اگر آپ گذشتہ بیس پچیس برسوں کے واقعات وحالات کو ہی نگاہ میں رکھیں تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ عام طور سے مسلم ممالک اور مسلم دانشور حضرات کی بیشتر صلاحیت اپنے دشمن قوتوں کے پھیلائے جال میں پھنس کر صرف ہو رہی ہے- وہ ہمیں کوئی موضوع، قضیہ یا مسئلہ دے دیتے ہیں اور ہم بجائے مثبت کاموں میں اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرنے کے، مدافعت میں مصروف ہو جاتے ہیں یا احساس کمتری کا شکار ہو کر خود فضیحتی یا کنارہ کشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں- نہ ہمارے پاس بی بی سی یا سی این این جیسے چینل ہیں اور نہ ہی ٹائم میگزین جیسے رسالے اور اگر ہوں بھی تو ان کی طرف ہم کب توجہ

☆T-69,New Transit House,J.N.U,New Delhi-67

دینے والے۔ آج شاید مغربی سامراجی پروپیگنڈہ کا سب سے زوردار اور مثبت جواب ''الجزیرہ'' ہے، لیکن اسے ہمارے یہاں کتنے لوگ دیکھتے ہیں، یا جس طرح کی خبریں یا مسائل خود ای ٹی اردو پر دکھائے جاتے ہیں یا ہمارے بعض حق نما اخبارات ورسائل میں چھپتے ہیں، انہیں ہم کتنا اعتبار بخشتے ہیں۔

لوگوں کو ہر سطح پر اور ہر اسٹیج پر یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ناانصافی اور ظلم کی بنیاد پر قائم نظام اور سیاسی پالیسیاں اصل دہشت گردی ہے، جن کے نتیجہ میں معصوموں اور بے گناہوں کا استحصال کیا جارہا ہے، تہذیبیں مٹائی جارہی ہیں، قوموں اور ملتوں کو ذلیل اور بے آبرو کیا جارہا ہے۔ ناچیز نے دو ہفتہ قبل بچشم خود مشاہدہ کیا کہ واشنگٹن میں پوپ جان پال کی آمد کے موقع پر امریکہ کے دانشوروں کے ایک گروہ نے سوال اٹھایا تھا کہ جس پوپ کی سرپرستی میں لاکھوں لڑکے لڑکیوں کا جنسی استحصال ہوا ہے (جن میں صرف ایک لاکھ امریکی بچے ہیں)، وہ بڑا دہشت گرد ہے یا اسامہ بن لادن؟ یا جس دہشت گرد مخالف جنگ کے مکھیا بش کی رہنمائی میں سات لاکھ سے زائد عراقیوں کا قتل ہوا ہے، وہ بڑا دہشت گرد ہے یا کوئی اور؟ یہ آوازیں جو صداقت پر مبنی ہیں، زیادہ حق دار ہیں کہ عالمی سماعتوں تک پہنچیں، گونجیں اور سوئے ہوؤں کو جگائیں! □□

دنیا کا واحد ملک امریکہ دہشت پسندی کا موجد

ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر
خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، چک، الہ آباد (یوپی)

امریکہ نے اپنی طاقت وزعم کا استعمال کار خیر اور دنیا کی فلاح وبقا کی خاطر کبھی نہیں کیا طاقت اور دولت کا مصرف بے جا طور پر لینا اس کی فطرت میں شامل ہے۔ اس کے نزدیک اپنے تحفظ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں کہ مقابلہ کے لیے مجبوراً میدان جنگ میں کودنا پڑے۔ وہ تو ہمیشہ دنیا کے امن وامان کو خطرے میں ڈالنے اور دوسروں کا حق چھیننے کے لیے جنگ کرتا ہے اور مسیحا کے روپ میں ڈاکوؤں کا کردار نبھاتا ہے تا کہ ساری دنیا کو اس کی طاقت اور دولت کی فراوانی کا اندازہ ہوتا رہے، اس اندازے کا احساس عموماً ممالک اسلامیہ کو زیادہ کرنا پڑتا ہے کہ امریکہ کی آگ اگلتی آنکھیں ہمیشہ انہیں ممالک کی طرف تاکتی رہتی ہیں، موجودہ دور میں جارج ڈبلو بش نے افغانستان وعراق کو تباہ وبرباد تو کیا ہی مگر اپنی گردن سے ذلت ورسوائی کا طوق نہیں ہٹا سکا۔ جس عراق کو امریکہ اپنے لیے خطرہ سمجھتا رہا چین، فرانس، جرمنی، برطانیہ، آسٹریلیا اور ساؤتھ کوریا وغیرہا نے عراق کو کوئی مسئلہ ہی نہیں بنایا، جس سے جنگ کرتے ہوئے امریکہ نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسرائیل کی ہمدردی اور عراق کی تباہی میں اکثر یوروپین ممالک کے ساتھ مشترکہ جنگ کا مظاہرہ محض دنیاداری اور جنگی طرفداری کا ڈھکوسلا تھا کہ دنیا اس کے جواز سے انکار نہ کرسکے جبکہ مرد مجاہد صدام حسین کو سولی پر لٹکا دینے کے بعد کسی بھی غیر عرب ملک نے اپنے لیے اطمینان حاصل ہونے یا خطرہ ٹل جانے کی بات ہی نہیں کہی۔

امریکہ کو کسی سے جنگ کرنا یا کسی کا حق چھیننا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ بے پناہ اسلحے اور جہاز ضائع ہوتے ہیں اور بے شمار فوجیوں کی جانیں بھی جاتی ہیں، ان بیواؤں سے پوچھیے جن کے فوجی شوہروں کو محض حق چھیننے اور تباہی وغارتگری کی بنیاد پر ہلاک کردیا جاتا ہے، چند فوجیوں کو اسپتال بھیج کر باقی کو سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے۔ کیا دوسروں کا غصب کرنے اور بے گناہوں کا قتل عام کرنے والے یہ ہلاک شدہ امریکی فوج جذبہ حب الوطنی اور مرتبہ امتیاز وقربانی کے مستحق ہوسکتے ہیں قطعی نہیں، حب الوطنی کا خطاب اسے دیا جاتا ہے جو حق کے تحفظ میں جان قربان کرتا ہے، دوسروں کا حق چھیننے اور ظلم وستم کرنے والے کو نہیں۔ مگر امریکی حکومت کو ان سب باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔ اپنے فوجیوں کے تمام عیش وعشرت اور شراب وشباب کا بدلہ خون سے لینے کا پرانا رواج ہے تا کہ نئی بھرتی کے لیے راستہ ہموار ہوتا رہے۔

عراق وافغانستان کو تباہ وبرباد کرنے اور لاکھوں لاکھ مسلمان کو شہید کردینے کے بعد بھی چین نہ ملا تو پنٹاگن پر حملہ کو مسلمانوں سے جوڑ دیا اور دہشت گردی کا الزام لگاتے ہوئے ساری دنیا کے مسلمانوں کو چونکا دیا، یہ الزام چونکہ دنیا کے سب سے بڑے میڈیا کی جانب سے لگایا گیا اس لیے مسلمانوں کا متاثر ہونا لازمی امر تھا۔ مسلم مخالف جماعتوں کو اگرچہ اس شعلہ بار الزام سے تقویت ضرور پہنچی ہے مگر ہم انہیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ الزام وہ داغدار امریکہ لگا رہا ہے، جس نے ہیروشیما پر بم گرا کر دہشت گردی کی بنیاد رکھی، جس نے جاپان پر ہتھیار بنانے پر

پابندی عائد کردی اور جو عرصہ دراز تک ویتنام کی زمینوں کو خون سے سرخ کرتا رہا اور جس نے اپنی دھرتی پر سابق صدر کینیڈی کی جان لے لی، زمانہ ہنسنے پر مجبور ہو گیا کہ دنیا کے سب سے بڑے فتنہ طراز کی زبان سے دہشت گردی کا الزام کس قدر خراب لگتا ہے یہ الزام چونکہ مسلمانوں کے سر تھوپا گیا ہے اس لیے ایسے الزام کی کوئی اہمیت نہ بن سکی، کسی دوسری قوم پر یہ الزام لگایا گیا ہوتا تو اس کی سیکڑوں مثالیں سامنے آگئی ہوتیں۔امریکہ میں بسنے والے بے شمار مسلمانوں کے اخلاق و کردار اور حسن عمل کو دیکھ کر خود امریکہ گواہ ہے کہ مسلمانوں کا کردار دہشت پسندی سے وابستہ ہو ہی نہیں سکتا، امریکہ چاہے تو اپنے الزام کے مطابق امریکی مسلمانوں کو پریشان کرسکتا ہے، مگر اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ ان کے اخلاقی کردار اور حسن سلوک میں کوئی لچر ہے۔برطانیہ میں امریکہ سے کہیں زیادہ کثرت سے مسلمان آباد ہیں وہاں کے شہروں میں سیکڑوں مسجدیں اور مذہبی ادارے قائم ہیں، اسلامی تقریب کا علی الاعلان انعقاد ہوتا رہتا ہے، اسلامی لٹریچر شائع ہوتے ہیں اور بعض دینی عالموں کو ان کی بہترین کارکردگی پر سرکاری مراعات تک حاصل ہیں، ان حقائق کے پیش نظر برطانوی حکومت بھی دہشت گردی کا الزام لگانے سے قاصر ہے، مسلمان جن جن غیر اسلامی ملکوں میں رہتے بستے ہیں، اپنے اخلاقیات کی بنیاد پر رہتے ہیں۔کسی ملک نے بھی ان پر انگلی اٹھانے کی ضرورت نہیں محسوس کی کیونکہ مسلمان جانتا ہے کہ اسلام میں دہشت پسندی اور شر انگیزی کی قطعی اجازت نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کا کبھی یہ شیوہ رہا ہے، اسلام تو امن و امان کا پیغام دینے، اتحاد و اتفاق کا نوید سنانے، شرافت نفسی کا چراغ جلانے اور جذبہ حق تلفی کو کچلنے کے لیے آیا ہے، مسلسل اور لگاتار ظلم و بربریت اور غیر منصفانہ رویے کے خلاف آواز بلند کرنے اور اس پر قابو پانے کا حق جہاں دنیا کی ساری قوموں کو حاصل ہے، وہی مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، کیا ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی ظالم بغیر کسی قصور و خطا کے تلوار لے کر سامنے آجائے اور مسلمان تلوار دیکھ کر اپنا سر جھکا دے، کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے؟ مجھے بتایا جائے کہ اگر کوئی کسی کا گھر جلا دے، کوئی حاملہ عورتوں کے پیٹ میں نیزے ڈال دے، چھوٹے چھوٹے، بچوں کو ماں کی گود سے چھین کر زندہ جلادے، نوجوانوں کو تختہ دار پر لٹکا دے، پوری پوری بستی کو دھماکوں سے اڑادے تو ایسی صورت میں ردعمل کا کیا کردار ہونا چاہیے۔

بار بار عالمی سطح پر اعلان و اشاعت کے باوجود مسلم دہشت گردی کے الزام کا اثر کہیں اور تو نہیں دیکھا جاسکا البتہ امریکہ کی شہ پر ہندوستان میں یہ تحریک ضرور رنگ لائی ہے جبکہ صوبوں کی مسلم حکمرانی، صوبوں کی مسلم تہذیب، اخلاقی روایات، روشن مراسم اور حسن سلوک سے وابستہ و متعلق رہنے اور عینی مشاہدات کے زیر اثر ہندوستان پر تو اس غلیظ تحریک کا سایہ نہ پڑنا چاہیے تھا تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کچھ تشدد پسند افراد اس کے منتظر تھے کہ مسلمانوں کے خلاف کچھ مسالہ مل جائے تو سیاسی کھیل کھیلنے اور خود کو بھولا بنائے رکھنے کا بہانا ہاتھ آجائے۔مجرم خواہ کسی بھی قوم کا فرد ہو کسی بھی جماعت کا ہو، اسے سزا ضرور ملنی چاہیے کہ یہی قانون و آئین کی پاکبازی ہے مگر دوسروں کے گناہوں اور دوسروں کے آتنک کو فضول مسلمانوں کے سر تھوپ کر نئی سیاسی چال کا زہر گھولنا اچھی بات نہیں۔یوں بھی ہندوستان کے اکثر و بیشتر سیاسی دنگوں کی ہر شوریدہ روش مسلمانوں ہی کے گرد گھومتی رہتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اگر ایک طرف اپنے ہر کرم کو ہر بدنامی سے بچایا جاسکتا ہے تو دوسری طرف فتنے کی حقیقت کو غلط راستے پر لگایا جاسکتا ہے، سیاسی بازی گری کی یہ شتر گربگی عرصہ دراز سے جاری ہے کہ فائدہ بھی مسلمانوں ہی سے حاصل کیا جائے اور نقصان بھی انہیں کو پہنچایا جائے، اس کے برعکس اگر حقائق و روایات کو انصاف کے آئینہ میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت حال ہندوستان کے چپے چپے میں نظر آئے گی کہ کسی نہ کسی مقصد اور کسی نہ کسی جذبے کے تحت غیر مسلموں کی کثیر تعداد مسلم تہذیب، اسلامی روحانیت اور پیر فقیروں سے ہر دور میں وابستہ و متاثر رہی ہے، ہندوستان کا کوئی ایسا آستانہ و خانقاہ اور درگاہ و بارگاہ نہیں، جہاں کثرت سے باادب حاضر ہو کر فریاد نہ کرتے ہوں اور مصیبتوں سے نجات نہ پاتے ہوں۔بیشتر شہروں کے بعض آستانوں کے ارد گرد غیر مسلموں کی اتنی کثیر تعداد جمع ہو جاتی ہے کہ ہم لوگوں کو قریب جانے میں دشواری ہو جاتی ہے، بالخصوص خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے آستانے کے آس پاس ہزاروں غیر مسلموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کتنے جذبے کے ساتھ سر جھکاتے ہوئے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور آنسوؤں کی سوغات نذر کرتے ہیں۔جادو ٹونا آسیب اور پرانے امراض سے نجات پانے کے لیے بالخصوص آستانوں اور خانقاہوں کا سہارا لیتے ہیں اور شفا پاتے ہیں۔نماز مغرب کے وقت عموماً ہر مسجد کے سامنے اپنے بچے اور دودھ پانی پر دم کرانے کے لیے عورتوں اور مردوں کو بھیڑ لگی رہتی ہے، اس کے علاوہ شادی بیاہ اور بعض تہواروں کے موقع پر ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے

اور تجارت کے تعلق سے ملنے جلنے اور اٹھنے بیٹھنے کا مشغلہ جاری رہتا ہے، گویا کسی نہ کسی طور پر بیشتر شعبہ حیات میں باہمی رسم ورواج کا تسلسل قائم ہی رہتا ہے، ایسے بھرپور مظاہرات ومشاہدات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کو ہوا دینا اور اتحاد و دوستی کے گلشن کو مسمار کرتے رہنا کتنی شرم وغیرت کی بات ہے۔ مسجدوں، آستانوں اور خانقاہوں کے فیوض و برکات کے آگے سر جھکانے والے اور جادو ٹونوں کی شدید مصیبت سے نجات پانے والے لاکھوں کروڑوں غیر مسلم افراد مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کا نعرہ کیسے بلند کرنے لگے اور سیاسی چال بازوں کے چھل میں کیسے آگئے بڑے تعجب کی بات ہے۔ ہر حادثے کو مسلمانوں سے جوڑ دینے اور ایک خطا کار کے بدلے سیکڑوں کو پریشان کرنے کی جبلت سے باز آنا ہوگا، ایسے غیر قانونی عمل سے اگر ایک طرف جمہوریت کی دھجیاں اڑتی ہیں تو دوسری طرف شرافت وانسانیت کا خون ہوتا ہے۔

اسی ہندوستان میں گاندھی جی کو قتل کیا گیا، اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی کا خون بہایا گیا، جبل پور، جمشید پور، مرادآباد، ممبئی اور گجرات وغیرہا میں ہزاروں مسلمانوں کے لہو سے ہولی کھیلی گئی، کبھی جامع مسجد دہلی میں بم پھینکا گیا تو کبھی خواجہ اجمیری کے دربار میں دھماکہ کیا گیا مگر مسلمانوں نے اپنے جلسوں اور اپنے اخبارات ورسائل میں کسی قوم پر آتنک وادی ہونے کا الزام نہیں لگایا، سدا یہ اپیل کی کہ مجرم کو پکڑنے میں کوتاہی نہ کی جائے، اس کو سزا دینے میں تاخیر نہ کی جائے اور جمہوری اتحاد کا تحفظ کیا جائے، پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ مسئلہ امریکہ کا تھا کہ اس نے اپنے طور پر مسلم بغاوت وجنگ کے ماحول میں الزام لگانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کی مگر اسکا مطلب یہ تو نہیں کہ امریکہ کے اس الزام کو فضول ہندوستان میں اپنایا جائے اور صرف امریکہ کی تائید میں آپسی بھائی چارے کو پارہ پارہ کیا جائے۔ میرے بھائی یہ یاد رکھو کہ اپنے اپنے وقت پر سب کو مرجانا ہے، دھن، دولت، کرسی اور داداگیری سب یہیں رہ جائے گی، دنیا کو اگر کچھ یاد رہ جاتا ہے تو انسان کا تقوئی وطہارت، علم وادب، اخلاص واخلاق، اتحاد واتفاق، وفاداری اور امن وشانتی کا پیغام۔

قارئین توجہ دیں

جام نور کی ممبر شپ یا ایجنسی کے تعلق سے جو بھی شکایتیں آپ ادارہ کو ارسال کرتے ہیں برائے مہربانی اپنا ممبر شپ نمبر اور ایجنسی نمبر ضرور لکھ کر بھیجیں، ممبر شپ نمبر کے ذکر کے بغیر کوئی شکایت قابل قبول نہ ہوگی اور جن حضرات کی ممبر شپ ختم ہوگئی ہے، براہ کرم وہ اپنی تجدید ممبر شپ کی رقم بھیج کر ادارے کے ساتھ تعاون کریں............(ادارہ)

اظہارِ خیالات

اس کالم میں آپ سیاسی، سماجی، ادبی، مذہبی اور ملی کسی بھی مسئلہ پر اپنی فکر اور اپنے خیال کا برملا اظہار اور بے لاگ تبصرہ کر سکتے ہیں جو ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع کیا جائے گا، واضح ہو کہ اس سلسلے میں آپ کی تحریر مختصر اور جامع ہونی چاہیے.............. (ادارہ)

فروعی اختلافات سے باہر آنے کی دعوت؟

غلام نبی کشافی
آنچار (صورہ) سرینگر، کشمیر

مکرمی ومحترمی ڈاکٹر اخلاق احمد آہن صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ- اللہ کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں، عرض ہے کہ ہمارے یہاں سری نگر میں مختلف مکاتب فکر کے بہت سے رسائل آتے ہیں لیکن ان میں چند ہی رسائل کو میں مستقل طور پر پڑھتا اور پسند بھی کرتا ہوں، جن میں سے ایک ماہنامہ جام نور بھی ہے- میں ذاتی طور پر حنفی العقیدہ مسلمان ہوں مگر مسلکی وفروعی اختلافات کے جنگل سے حتی المقدور بچنے اور دور رہنے کی کوشش کرتا ہوں- میرے نزدیک ''جام نور'' بھی ایک متشدد اور غالی حنفی گروہ بریلوی مکتب فکر کا ترجمان ہے اور اس کی بھی در پردہ یہی کوشش رہتی ہے کہ ائمہ اربعہ میں ایک اور امام کا اضافہ کر کے ائمہ خمسہ کی اصطلاح کو استعمال کیا جائے تاکہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو امام احمد رضا خان بریلوی کا نام دیا جائے اور انہیں بریلوی مکتب فکر و فقہی گروہ کا بانی قرار دیا جائے- جس کی وجہ سے ماہنامہ جام نور کی بہت سی تحریروں سے اتفاق کرنا نہ صرف مشکل ہوتا ہے بلکہ ان کا پڑھنا بھی گراں ہوتا ہے، تاہم مجموعی طور پر میں اس رسالہ کو بعض دوسرے چند رسائل، مثال کے طور پر ماہنامہ کنز الایمان، ماہنامہ البلاغ (ممبئی الدار السلفیہ) ماہنامہ اللہ کی پکار وغیرہ کے مقابلے میں قدرے دلچسپی سے پڑھتا اور پسند بھی کرتا ہوں-

بدقسمتی سے ہمارے بریلوی اور دیوبندی علماء ابھی روایتی اور مسلکی خول سے نکلنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں اور وہ اسی دائرے میں رہ کر سوچتے، پڑھتے اور لکھتے رہتے ہیں، جبکہ یہ دنیا روایتی دور سے نکل کر سائنسی دور میں داخل ہو چکی ہے اور ضرورت یہی تھی کہ اس سائنسی دور کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اسے دعوت وتبلیغ کے لیے ذریعہ بنایا جائے-

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اہل علم کے اقوال سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ علماء اور اہل دانش کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کو پہچانیں اور وقت کے اسلوب کو بھی جاننے اور سیکھنے کی کوشش کریں- چنانچہ اسی سلسلہ میں یہاں چند روایات واقوال کو پیش کیا جاتا ہے-

حضرت ابوذر غفاری سے مروی ایک طویل حدیث میں ایک فقرہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے ''دانش مند وہ ہے جو اپنے زمانے کو دیکھنے والا ہو'' - (**وعلی العاقل ان یکون بصیرا بزمانہ**- صحیح ابن حبان کتاب البر والاحسان- حدیث نمبر ۳۶۱ ج، ص: ۲۱۴) حدیث کے اس فقرے کی تائید ایک معروف فقہی قول سے بھی ہوتی ہے کہ ''جو اپنے زمانے کے لوگوں کو نہ پہنچانے وہ عالم نہیں جاہل ہے'' (**من لم یعرف اہل زمانہ فھو جاھل** - نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب العلم، ج:۱، ص:۴۳۶) اس طرح اسلوب بیان کے سلسلہ میں ایک ضعیف حدیث اس طرح آئی ہے- **عن سعید بن المسیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا معشر الانبیاء لذالک امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقو لھم** (کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج:۴، ص:۴۲۵، حدیث نمبر ۲۰۵۳) حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم انبیاء کے گروہ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے عقلی معیار واستعداد کے مطابق کلام کریں-

اس معنی میں ایک قول علی کا بھی ہے جسے امام بخاری نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: **حدثو الناس بما یعرفون أتحبّون ان یکذب اللہ و رسولہ** (فتح الباری کتاب العلم باب نمبر ۴۹، ج:۱، ص:۳۰۰) لوگوں سے وہی باتیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ لیں- کیا تم پسند کرو گے کہ اللہ اور اس کے

رسول کو جھٹلایا جائے۔

عصری اسلوب سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت عصر حاضر کے معروف و ممتاز عالم دین و مفکر اسلام حضرت مولانا وحیدالدین خان صاحب نے اپنی ایک کتاب میں اس طرح کی ہے۔ ''وقت کے اسلوب میں دین کو بیان کرنا جتنا ضروری ہے، وقت کے فکر میں دین کو ڈھالنا اتنا ہی غلط ہے، اول الذکر تجدید دین ہے اور ثانی الذکر تحریف دین، ہر دور کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ ہر دور میں کچھ الفاظ اور کچھ اسلوب ہوتے ہیں۔ جن میں آدمی سوچتا ہے، جن میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، جب زمانہ بدلتا ہے تو الفاظ سے ذہن کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک لفظ جو قدیم دور میں انسان کی نفسیات کو متحرک کرتا تھا، نئے دور میں وہ لفظ اپنی یہ انقلابی قیمت کھو دیتا ہے۔ اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ ذہن اور الفاظ کے درمیان دوبارہ رشتہ قائم کیا جائے، تاہم یہ ''جدت'' صرف الفاظ اور اسلوب کے اعتبار سے ہوتی ہے، نہ کہ فکر کے اعتبار سے''۔ (اسلامی دعوت ص: ۲۷)

ان تمام دینی اصول واقوال سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ علماء اور اہل دانش کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے بارے میں اتنی زیادہ استعداد اور قابلیت حاصل کریں جس سے کہ وہ دین کی صحیح معنوں میں تبلیغ و اشاعت میں اپنے حصے کا رول ادا کر سکیں۔ بدقسمتی سے ہمارے اکثر رسائل عصری اسلوب و معنویت سے یکسر خالی اور محروم ہیں اور ان کے مدیران بھی اس سے نابلد ہیں۔ موجودہ دور میں مشکل سے چند اسلامی رسائل ایسے ہیں جن میں عصری اسلوب کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

عصر حاضر کے تعلق سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ عصری علوم پر پوری طرح عبور و دسترس حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان علوم کو قرآن و حدیث کے فکر و نظر کے تابع رکھنا ضروری ہے۔ اس طرح اصل علم قرآن و حدیث رہے گا اور عصری علوم قرآن و حدیث کی تبلیغ کے سلسلے میں جدید نسل سے رابطہ کرنے تک محدود رہنے چاہیے۔ لیکن اگر عصری علوم قرآنی فکر سے آزاد ہوں تو اسلام میں ان کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ضرورت۔ کیونکہ اسلام کے نزدیک عصر حاضر کا وہی علم قابل قبول ہے، جس سے دین کی کوئی خدمت انجام پاتی ہو۔ لیکن یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ آج دنیا میں جن عصری علوم کو غلبہ اور فروغ حاصل ہے وہ قرآنی فکر سے بالکل آزاد ہیں اور ان علوم سے باطل ہی کی خدمت و ضرورت انجام پارہی ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ بہت سے مسلمان انہی عصری علوم کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں اور قرآنی علم سے بالکل بے گانہ ہو گئے ہیں جبکہ مسلمانوں کے لیے دینی لحاظ سے عصری علوم اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جبکہ وہ قرآنی علم سے بہرہ مند ہوں ورنہ عصری علوم انہیں دین سے دور اور کفر سے قریب کریں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان پہلے قرآنی علم حاصل کریں پھر عصری علوم کی طرف توجہ دیں۔

ماہنامہ جام نور طباعت کے اعتبار سے بہت خوب اور اس کا ٹائٹل بھی جاذب نظر ہوتا ہے مگر اس کی بھی بیشتر تحریریں روایتی و مسلکی اور تعصب ورد عمل کی نفسیات کی عکاس اور پیداوار ہوتی ہیں۔ شاذ و نادر ہی اس میں کوئی ایسی تحریر ملتی ہے جس کا لکھنے والا تقلید و جمود اور بدعات و خرافات کے خیالات سے آزاد اور اوپر اٹھ کر سوچنے والا ہو۔ لیکن اس بار اپریل ۲۰۰۸ء کے شمارے میں آپ کا مضمون۔ ''ذرا سوچیں، مٹھی بھر یہودی دنیا کے حکمراں کیوں ہیں؟'' پڑھنے کو ملا، یہ مضمون میرے قلب و ذہن کو اس قدر چھو گیا کہ ایسا لگا کہ جام نور میں پہلی بار کوئی تحریر شائع ہوئی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ میں نے اس تحریر کو دو تین بار پڑھا اور اس کی ایک ایک سطر پر غور بھی کیا، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی اس تحریر نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس طرح کی تحریریں ہر رسالہ میں صرف ایک سال تک مسلسل شائع ہوتی رہیں گی تو یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ بہت جلد پڑھے لکھے طبقہ کے اندر انقلابی طرز کی بیداری کے ساتھ ساتھ احتساب خویش کا جذبہ بھی پیدا ہو جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے موجودہ دور میں ہمارے اکثر لکھنے والے نہ صرف فخر و مباہات اور غزل و قصیدہ جیسی سطحی چیزیں لکھتے رہتے ہیں بلکہ آج کل کوئی ایسا رسالہ نہیں نکلتا ہے جس میں شعر و شاعری اور ادبی و افسانوی تحریریں نہ ہوں اور اس طرح کی تحریروں کو ہر رسالہ کی جان اور ضرورت سمجھا جاتا ہے اور خود مدیران کی حالت یہ ہے کہ وہ عادت سے مجبور ہو کر لکھتے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا لکھتے ہیں اور ان پر دینی اور عصری تقاضوں کے تئیں کیا لکھنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، سچائی یہ ہے کہ موجودہ دور کے بیشتر مدیران اور قلم کار حضرات دینی احکام سے واقف ہیں اور نہ زمانہ شناس ہیں۔ اس لیے ان کی ہر تحریر پھیکی اور ان کے مسخرے پن کی عکاس ہوتی ہے۔ اس لیے اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء مسلکی و فروعی اختلافات کے جنگل سے باہر آ کر ملت اسلامیہ کے بقا و تحفظ اور

اسلام کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے کمربستہ ہو جائیں- کیونکہ اسلام کسی ایک قوم، خطے یا علاقے کا مذہب نہیں ہے یہ الہامی مذہب ہے اور اس کی تعلیمات آفاقی اور وحی الٰہی پر مبنی ہیں اس لیے اسلام پورے عالم انسانی کا مذہب ہے- قرآن کا آفاقی پیغام دنیا کی تمام اقوام کے لیے نجات کا آخری اور فائنل ذریعہ ہے- عصر حاضر کے چلینجیز کے تناظر میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی دعوتی و تبلیغی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں- اسلام کا دامن علوم و فنون اور عقلیات کے جواہرات سے بھرا ہوا ہے- ہمیں اس سے براہ راست استفادہ کرنا ہوگا- لیکن خیال رہے مطلوبہ نتائج حد درجہ محنت اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں صحیح طریقہ کار اپنانے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں-

آخر میں عرض ہے کہ آپ نے اپنی اس تحریر کو جس دلسوزی اور دردمندی سے لکھا ہے اس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے اور مجھے آپ کے نام ایک تفصیلی خط لکھنے پر بھی مجبور کر دیا ہے- اب میں یہ خط ماہنامہ جام نور کے ہی ایڈریس پر روانہ کر رہا ہوں- مگر اس بات کی زیادہ امید نہیں ہے کہ میرے اس خط کو شامل اشاعت کیا جائے گا- لیکن پھر بھی میں اپنی اس تحریر کو روانہ کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مدیر ماہنامہ جام نور میری اس تحریر کو رسالہ کے کسی نزدیکی شمارے میں جگہ دے کر ممنون فرمائیں گے-

ادارتی نوٹ:- محترم کشافی صاحب! عصری اسلوب کی وضاحت اور عصری اسلوب میں گفتگو کرنے کی دعوت پر ہماری طرف سے آپ ڈھیر ساری مبارک بادیوں کے مستحق ہیں اور اس بات پر ہم دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ ہمارا رسالہ نہ صرف مستقل طور سے پڑھتے اور پسند کرتے ہیں بلکہ کشمیر پہنچنے والے متعدد رسائل و جرائد کے بالمقابل اسے زیادہ اہمیت دیتے ہیں- آپ کا یہ مکتوب جو محترم ڈاکٹر اخلاق احمد آہن کے نام ہمارے پتے پر تشریف لایا ہے اپنے اندر کئی قیمتی باتیں لیے ہوئے ہے جن کی وجہ سے ہم نے آپ کی امید کے مطابق اسے رسالے میں جگہ دی لیکن ساتھ ہی کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن پر اختصاراً تعلیق و تبصرہ ضروری ہے- امید کہ آپ کھلے دل سے ان پر غور کریں گے-

(ا) آپ نے فخریہ طور سے یہ لکھا ہے کہ ''میں ذاتی طور پر حنفی العقیدہ مسلمان ہوں مگر مسلکی و فروعی اختلافات کے جنگل سے حتی المقدور بچنے اور دور رہنے کی کوشش کرتا ہوں'' آپ کو میری یہ بات ناگوار نہیں لگنی چاہیے کہ (الف) کوئی بھی شخص حنفی العقیدہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ حنفیت فقہی مکتب ہے اعتقادی نہیں- (ب) اگر آپ حنفی ہیں تو اس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے متبع اور دوسرے مسالک فقہ کے کم از کم عملاً مخالف ہیں، اس لیے فروعی اختلافات سے الگ رہنے کا دعویٰ مبنی بر صداقت نہیں ہو سکتا- (ج) ایک باشعور اور ذمہ دار شخص کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اختلافات کو خواہ وہ مذہبی ہوں یا مسلکی اصولی ہوں یا فروعی علمی انداز میں سمجھنے کی کوشش کرے اور پھر اس کے بعد اپنا علمی موقف متعین کرے، اختلافات کو سمجھے بغیر اور حقائق سے ناواقفیت کے ساتھ اختلافات کو برا کہنا اور ان سے بھاگنے کی کوشش کرنا ایک غیر علمی اور غیر ممدوح رویہ ہے، ہاں اگر آپ کی مراد یہ ہو کہ اختلافات کے ہوتے ہوئے ملت کے مشترکہ مفاد کے لیے کوشاں رہتے ہیں تو یہ یقیناً قابل ستائش انداز فکر و عمل ہے- (د) آپ اپنے دعویٰ کے برعکس ہماری دانست کے مطابق ہمیشہ مسلکی اختلافات کے جنگل میں رہتے ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ آپ اس مسلک کے مرد تیر افگن ہیں جس میں اس کے بانی کے علاوہ کوئی اور بہادر نظر نہیں آتا، ہماری مراد آپ کے ''عصر حاضر کے معروف و ممتاز عالم دین و مفکر اسلام حضرت مولانا وحید الدین خاں صاحب'' سے ہے، جن کی نظر میں ماضی و حال میں کوئی قابل اعتبار عالم دین نہیں، اپنے آئیڈیل وہ خود ہیں اور اب تک کی ہماری محدود معلومات کے مطابق وہ صرف آپ کے آئیڈیل بن سکے ہیں- آپ میں اور ان میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ صرف دوسروں پر تنقید کرتے ہیں اور آپ سب پر تنقید نہیں کرتے بلکہ ایک شخصیت کی تعریف و توصیف بھی کرتے ہیں اور وہ ہیں آپ کے ممدوح مولانا وحید الدین خاں، مولانا موصوف کو دعویٰ ہے اور آپ اسے تسلیم کرتے ہیں کہ عصری اسلوب کو صرف انہوں نے سمجھا اور برتا، نہ ان کو کوئی رسالہ یا کوئی کتاب عصر حاضر کی روح کے مطابق نظر آتی ہے اور نہ آپ کو، آپ فرماتے ہیں کہ ''مدیران کی حالت یہ ہے کہ وہ عادت سے مجبور ہو کر لکھتے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا لکھتے ہیں اور ان پر دینی و عصری تقاضوں کے تئیں کیا لکھنے کی ذمہ داری عائد ہوتی'' - مزید فرماتے ہیں: ''موجودہ دور میں مشکل سے چند اسلامی رسائل ایسے ہیں جن میں عصری اسلوب کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے'' - ہمیں آپ سے ان مدیران اور ان کے رسائل کی فہرست مطلوب ہے جو عصری تقاضوں کے مطابق لکھتے ہیں، اگر اس فہرست میں مولانا وحید الدین خان اور ان کے

''الرسالہ'' کے علاوہ کسی اور نام کا آپ اضافہ نہ کرسکیں تو اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرلیں کہ آپ نہ صرف ایک بے نام مسلک کے حصار میں قید ہیں بلکہ اب اس سے باہر نکلنا بھی آپ کے لیے ناممکن سا ہو گیا ہے۔۔۔ کیا آپ اس سے انکار کریں گے کہ عصری اسلوب میں آپ کے شیخ ممدوح کے مطابق ''جدت صرف الفاظ اور اسلوب کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ فکر کے اعتبار سے'' لیکن مولانا وحیدالدین خان نے الفاظ واسلوب میں بھی جدت وتفرد اختیار کیا اور فکر ونظر میں بھی، ان کے الفاظ واسلوب کی جدت کا مداح جس طرح اس دور کا ہر شخص ہے اسی طرح ان کی فکر ونظر کی جدت کا ہر مخلص مخالف ہے اور اس لیے ہے کہ بقول مولانا وحیدالدین خان فکر ونظر کی جدت تحریف دین ہے اور تحریف دین کو کوئی بھی مسلمان قبول نہیں کر سکتا۔ ابھی چند ماہ قبل مولانا وحیدالدین صاحب اسوۂ رسول کی کاملیت کے منکر ہو گئے اور مسیحی ماڈل کے اتباع میں نکل پڑے لیکن اس کے باوجود معلوم نہیں آپ پر کون سا خمار چھایا ہوا تھا کہ مولانا وحیدالدین خان سے چپٹے رہے اور ان کی قصیدہ گوئی کو حرز جان وایمان بنائے رکھا، جو لوگ دوسروں کو مسلکی خول سے باہر آنے کی دعوت دیتے ہیں انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ خود مسلکی جنون میں اندھے ہو جائیں۔

(۲) ماہنامہ جام نور کے بارے میں آپ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک جام نور بھی ایک متشدد اور غالی حنفی گروہ بریلوی مکتب فکر کا ترجمان ہے اور اس کی بھی در پردہ یہی کوشش رہتی ہے کہ ائمہ اربعہ میں ایک اور امام کا اضافہ کر کے ائمہ خمسہ کی اصطلاح کو استعمال کیا جائے۔'' معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ آپ کے ان جملوں میں ایسی سطحیت ہے جس پر تبصرہ کرنا بالکل ہی فضول معلوم ہوتا ہے، تاہم آپ کی چشم کشائی کے لیے چند اشارے دے دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(الف) یقیناً ماہنامہ جام نور سواد اعظم اہل سنت وجماعت کا ترجمان ہے جس کی ایک متبادل تعبیر اس دور میں برصغیر کی سطح پر ''بریلوی'' بھی ہے، لیکن اس پر متشدد اور غالی ہونے کا جو آپ نے الزام لگایا ہے اس پر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اہل سنت وجماعت یقینی طور پر اپنے مسلک وموقف اور اتباع طریق سلف میں متصلب ہیں، اگر اسے آپ غلو اور تشدد کا نام دیتے ہیں تو ہمیں کھلے دل سے قبول ہے اور اس الزام میں آپ اس لیے معذور ہیں کہ آپ مولانا وحیدالدین خان صاحب (علمائے اہل سنت جن کی فکری جدت پسندی کے سخت مخالف ہیں) پر آنکھ بند کر کے یقین رکھتے ہیں اور اس کے بعد دوسروں کو مسلکی خول سے باہر آنے کی تلقین کرتے ہیں (ب) فتاوی رضویہ کا مطالعہ کریں تو شاید آپ ہماری ہمنوائی پر خود کو مجبور پائیں گے کہ مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی کی شخصیت علوم وفنون کا وہ بحر ذخار ہے جس کی نظیر ماضی میں بھی دور دور تک نظر نہیں آتی۔ اس علمی تفوق کی بنیاد پر لوگ انہیں دوسرے القاب وآداب کے ساتھ ''امام'' سے بھی یاد کرتے ہیں، جام نور میں بھی اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے لیے اس لقب کا استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی پابندی یا التزام نہیں ہوتا، تاہم آپ کا الزام یہ ہے کہ جام نور ائمہ خمسہ کی اصطلاح رائج کرنے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب کو بریلوی فقہی گروہ کا بانی قرار دینے کے درپے ہے۔ جناب! غزالی، رازی، بخاری، مسلم، محمد، ابو یوسف جیسے سیکڑوں نام ایسے ہیں ''امام'' جن کے نام کا تقریباً جز بن گیا ہے لیکن اس کے باوجود ائمہ اربعہ کی اصطلاح پر کوئی حرف نہیں آتا، تو اگر کچھ حضرات اعلیٰ حضرت بریلوی جیسے حنفی مقلد ومحقق کے ساتھ بھی التزام کے ساتھ یا بغیر التزام کے اس لفظ ''امام'' کا استعمال کریں تو آپ الجھنوں کا شکار کیوں ہو جا رہے ہیں، یہ ''حسن ظن'' آپ کو مبارک۔

کشانی صاحب! نہ چاہتے ہوئے بھی گفتگو طویل ہو گئی اور بعض جگہ اسلوب بھی تیکھا ہو گیا، ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری تلخ نوائی پر چراغ پا ہونے کی بجائے اسے معاف کرتے ہوئے کم از کم ایک بار اپنے انداز نظر اور مولانا وحیدالدین خان صاحب کی فکری ونظریاتی جدت پسندی پر سنجیدگی سے غور کرنے کی زحمت کریں گے۔ اسوۂ نبوی کی کاملیت کے حوالے سے مولانا نے ''الرسالہ'' (جون ۲۰۰۷ء) میں جو بے سروپا باتیں کی ہیں ان پر جام نور کے جولائی ۲۰۰۷ء کے شمارے میں نہایت معروضی اور علمی تبصرہ کیا گیا ہے، پھر نومبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں اس پر ایک معروضی تفصیلی وتحقیقی اداریہ سنجیدہ اور شائستہ اسلوب میں سپرد قلم کیا گیا ہے اور خان صاحب کے ''دعوتی تشدد'' پر عالمانہ تبصرہ کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ دوسروں پر رد عمل کی نفسیات میں جینے کا الزام رکھنے والے مولانا وحیدالدین خان کس رد عمل کی نفسیات میں جی رہے ہیں۔ وہ شمارے بھی آپ کی نظر سے ضرور گزرے ہوں گے، لیکن نہیں معلوم کیوں آپ اور آپ کے ممدوح ہماری معروضات کو یکسر ہضم کر گئے، پھر فروری ۲۰۰۸ء کے الرسالہ میں

آپ کا وہ مکتوب نظر آیا جس میں خان صاحب کے حضور ہماری شکایت لے کر آپ حاضر ہیں اور جام نور کو ان کا مخالف بتاتے ہوئے اس بات پر اپنی حیرانی کا اظہار کر رہے ہیں کہ مولانا جام نور کی تعریف کرتے ہیں (جام نور کا اجتہاد و تقلید نمبر شمارہ اپریل ۲۰۰۷ء) جب کہ جام نور ان کی مخالفت میں لکھتا ہے۔ اگر خان صاحب کی ذات آپ کے نزدیک اتنی ہی مقدس ہے کہ ان کی کسی بات پر کسی کو معروضی علمی سوال کرنے کا بھی حق نہیں اور ایسا سوال کرنے والے کو آپ بغیر سوچے سمجھے مخالفین کی صف میں کھڑا کر دیں تو پھر آپ ہم کو مجبور و معذور سمجھتے ہیں۔ بس افسوس صرف اس کا ہے کہ ایسے قتیل دست عقیدت اگر مسلکی خول سے باہر آنے کا نعرہ لگائیں تو ان کی آواز کون سنے گا؟۔

تعلیق وتبصرہ کے لیے باتیں اور بھی ہیں لیکن طوالت کے پیش نظر انہیں قارئین کے حوالے کرتے ہیں۔ مع السلام

جام نور میں "تصحیحات" کا کالم شروع ہونا چاہیے

محمد ضیاء الرحمن علیمی
154 کاویری ہاسٹل، جے۔ این۔ یو، نئی دہلی۔

مکرمی خوشتر نورانی صاحب! سلام مسنون...... امید کہ آپ اپنے تمام معاونین کے ساتھ بخیر ہوں گے، جام نور کا شمارہ مئی ۲۰۰۸ء نظر سے گزرا، نیشنل میڈیا کنونشن کی داستان شوق آپ کے جادو بیان قلم کی زبانی سنی، ہم سب مولی تعالیٰ سے اس پروجیکٹ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہیں، امام زید شاکر حفظہ اللہ کا انٹرویو بہت اہم ہے، مجلّہ کے دوسرے تمام مشمولات عمدہ ہیں، ذیل میں چند باتوں کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں (۱) تازہ شمارے میں کمپوزنگ کی غلطیاں اتنی زیادہ ہیں جتنی میں نے پہلے کبھی جام نور میں نہیں دیکھیں، بعض مقامات پر تو مفہوم کچھ کا کچھ ہو گیا ہے (۲) پہلے خامہ تلاشی کے ذریعہ پچھلی غلطیوں کی اصلاح ہو جایا کرتی تھی لیکن اس کا سلسلہ بند ہو جانے کے بعد سے ساری خامیاں یوں ہی رہ جاتی ہیں، اگرچہ اظہار خیال کے کالم میں قارئین اس کا ازالہ کر سکتے ہیں لیکن عموماً ایسا نہیں ہو پاتا ہے کیوں کہ اس کالم کے تحت صرف تصحیحی تحریریں ہی شائع نہیں ہو سکتیں، بلکہ سیاسی، سماجی ادبی تبصروں کو بھی جگہ دینا ہوتا ہے۔

اب تک میری نظر سے جتنے بھی انگریزی اخبارات اور میگزینیں گزری ہیں ان میں دی ہندو اور فرنٹ لائن پابندی کے ساتھ اپنے سابقہ شماروں کی تصحیحات اپنے متعین کالم "Corrections and Clearifications" کے تحت شائع کرتے ہیں اور ہمیشہ اپنے قارئین سے تصحیحات ارسال کرنے کی اپیل کرتے ہیں، بلکہ "دی ہندو" نے تو صحافتی معیار کو بلند اور شفاف بنانے کے لیے Reader's editor کے نام سے ایک ہفتہ واری کالم بھی جاری کر رکھا ہے، قارئین ایڈرس ایڈیٹر کے نام صحافتی معیار و اصول سے متعلق شکایتی خطوط ارسال کرتے ہیں اور پھر یہ تمام شکایتیں اخبار کے ایڈیٹر ان چیف کو فارواڈ کی جاتی ہیں اور ان سے وضاحت طلب کی جاتی ہے اور پھر ان شکایتوں اور توضیحات کا خلاصہ چند اہم صحافتی نکات کے ساتھ مذکورہ کالم میں شائع کیا جاتا ہے اور اس طرح ایک روزنامے کو بہتر سے بہتر کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ جام نور کے سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ "تصحیحات" کے عنوان سے ایک مستقل کالم کا آغاز کیا جائے، قارئین سے جامع مختصر تصحیحی خطوط ارسال کرنے کی گزارش کی جائے اور اسے پابندی کے ساتھ شائع کیا جائے اس سے چند فائدے حاصل ہوں گے (۱) سابقہ شماروں کے اہم اغلاط کی تصحیح ہو جائے گی (۲) خامہ تلاش صاحب کے روپوش ہو جانے سے جو بہت سے علمی نقصانات ہوئے ہیں ان میں سے کچھ کا ازالہ ہو جائے گا (۳) مستقبل میں مجلاتی ادب کا ناقد جب جام نور کے شماروں پر نظر ڈالے گا، غلطیوں پر اس کی نگاہ پڑے گی اور پھر اگلے شمارے میں تصحیحات نظر سے گزریں گی تو وہ غلطیوں کو تقاضائے بشری پر محمول کر کے جام نور ٹیم کو معذور رکھے گا اور تصحیحات پر مدح سرائی بھی کرے گا، کیوں کہ ظاہر ہے کہ جام نور کی پوری ٹیم محنت ولگن کے ساتھ مجلّہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی پوری کوشش کرتی ہے اور اسے قارئین کے لیے پیش کرتی ہے اب قارئین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ بتقاضائے انسانی اگر کسی قسم کی خامیاں رہ گئی ہوں تو وہ اپنی تصحیحی تحریروں کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کریں اور اس طرح تحسین و تعدیل کی کوشش جب طرفین سے ہوگی تو جام نور کی عظمت میں چار چاند تو لگیں گے ہی، ناقد جام نور ٹیم اور اس کے قاری دونوں کے علمی ذوق، امانت داری، بلند ہمتی کا قائل ہو جائے گا اور جام نور کو صحافت کی دنیا میں سنگ میل قرار دے گا، اب میں ذیل میں چند اہم غلطیوں کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

میگزین کے صفحہ نمبر ۴ پر لکھا ہے ''حضرت شرف ملت نے ۴ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو مجھے اور مولانا اسید الحق کو عشائیے پر اپنے دولت خانہ پر آنے کا حکم دیا'' یہ ۴ر دسمبر ۲۰۰۷ء ہونا چاہیے تھا، صفحہ ۱۵ر پر پہلے پیرا میں لکھا ہے ''ان میں دانشور بھی تھی'' یہ ''تھے'' ہونا چاہیے تھا، فلسطین سے متعلق ایڈہاک کمیٹی رپورٹ پر مبنی ٹیبل کو ملاحظہ کرنے کا تذکرہ صفحہ ۱۶ کے تیسرے پیرا میں تو ہے لیکن ٹیبل غائب ہے، وہ ٹیبل یہ ہے، ملاحظہ فرمائیں:-

سال	مسلم	عیسائی	یہودی	متفرق	ٹوٹل
1918	574,000	70,000	56,000	—	700,000
1922	590,900	73,014	83,794	9,474	757,182
رائے شماری 1931	759,712	91,398	174,610	10,101	1,035,821
رائے شماری 1946	1,076,780	145,060	608,230	15,490	1,972,560
؍؍ ؍؍	بدوی 127,000 1203,780				

اتحاد جماعت کے لیے خانقاہی شہزادگان کو دعوت

محمد نظام الدین برکاتی

جنرل سکریٹری آل انڈیا اصلاحی وامدادی مشن رجسٹرڈ، ساگر (کرناٹک)

محترم مدیر اعلیٰ! السلام علیکم...... ماہنامہ وقت پر بلا ناغہ ملنے کا ریکارڈ رکھتا ہے، یہ بھی انفرادیت آپ ہی کے ماہنامہ کو حاصل ہے، دن بہ دن نکھار ترقی اور قیمتی مشمولات گرویدہ بنا رہے ہیں، اللہ نظر بد سے بچائے- عرض یہ ہے کہ ابھی حال ہی میں مدنی پرائیویٹ لمیٹڈ (جمعیۃ العلماء ہند) کی جانب سے مغالطہ آمیز اور سفید جھوٹ پر مبنی بیان کہ جمعیۃ کے ارکان کی تعداد ملک میں ایک کروڑ ہے (حالانکہ تمام ارکان سو فی صد علماء ہی ہیں) پڑھ کر حیرت ہوئی، جبکہ پورے فرقے کی تعداد ایک کروڑ ہو، یہ خود قابل غور ہے لیکن اس میں بھی ایک سوچ ہے ایک فکر ہے، ہم سواد اعظم کے امین اور دعویدار اگر یہ سمجھتے ہیں کہ صرف چند علاقوں کی حفاظت اور عروس البلاد ممبئی کی قیادت ہمیں سواد اعظم کا پاسبان منواتی رہے گی تو احمقوں کی جنت میں رہنے والے ہوسکتا ہے اس پر آنکھیں بند کرلیں اور اپنے اپنے آشیانوں میں میٹھی نیند کی گولی کھا کر سو جائیں لیکن ہوش وحواس میں کھلی آنکھوں والا اس پر قطعی اعتبار نہیں کرسکتا، ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیے برصغیر کے سواد اعظم بورڈ پر جہاں زکریا ملتانی اور غریب نواز سے لیکر یحییٰ منیری اور بندہ نواز تک تصوف واخلاق کے مبلغ اور توحید ورسالت کے سچے وارث اور پرچارک ہوں اور عالمی منظر پر رومی وسعدی جیسے عالمی اسکالر ہوں اور رازی وغزالی اور امام احمد رضا جیسے علم کلام کے ماہر اور ہر باطل فرقے سے اسلام وایمان کی شمع فروزاں کو بچانے والے محافظ ہوں، کیا ہم اپنے آپ کو اس موقف پر پاتے ہیں کہ ہم بھی کسی تنظیمی پلیٹ فارم سے اس طرح کا اعلان کریں- ہاں بیہوش مقررین ضرور دن کے اجالے میں نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں اعلان کرکے نعرہ لگوا کر اپنی تعداد انگلیوں پر گنوا سکتے ہیں، اب آپ ہی سوچیے کہ سواد اعظم کی زندگی اور دعویداری کے لیے کیا یہی تعداد اور یہی طریقہ کافی ہے؟ ہرگز نہیں، آج ہمارے پاس علم کی روشنی، تنظیم کی زنجیر اور افراد واشخاص کا قافلہ، ملت کی زلف برہم سنوارنے والے قائدین اور قوم کو اخوت ومحبت اور جام توحید ورسالت پلانے والے علماء وگدی نشین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے ایسے میں ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم بیدار ہوں، کچھ کریں، زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضے کو سمجھیں اور وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں اور قدیم طریقوں کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع وانداز اپنائیں- میں گدی نشین بزرگوں کے شہزادگان کو آواز دیتا ہوں کہ وہ اٹھیں اور ملک میں پھیلی ہوئی سیکڑوں خانقاہوں سے اپنے رابطہ

مضبوط کریں، آج اکثر خانقاہوں کے مابین باہمی کشمکش اور بدگمانی غلط فہمی پیدا ہوچکی ہے اور اکثر خانقاہوں کے و شہزادگان جن پر علاقے والے صدقے واری ہوتے ہیں وہ دینی تعلیم سے غافل ہوتے جارہے ہیں یا پھر غلط فرقے و جماعتوں کے شکار ہورہے ہیں، حالانکہ انہیں خود اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ جس نئے فرقے سے ان کی یاری ہوئی ہے وہ نہ صرف دوستی کی آڑ میں ان کے خرمن ایمان کو جلا ڈالے گا بلکہ ظاہری آن بان شان کے شیش محل کو بھی زمین بوس کردے گا، حالت بایں جارسید- نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم- نہ یہاں کے رہے اور نہ وہاں کے رہے- آج جو ہر جگہ ان کی تعداد نظر آتی ہے قیادت و امامت ان کی نظر آتی ہے، وہ ہماری غفلت کا نتیجہ ہے، ان کا پروپیگنڈہ اس طرح ہے جیسے ہر جگہ انہوں نے سکے بٹھا دیئے ہیں حالانکہ یہ بین السطور حقائق کے خلاف ہے- دراصل اپنی حرکت و عمل کی بنیاد پر وہ میر مجلس بن جاتے ہیں اور دور دراز کے علاقے والے انہی کو اپنا برحق پیشوا تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور ان کی چالاکی اور مکاری اور جھوٹا درد و کرب اور نمائشی اخلاق و کردار اور سب سے بڑھ کر ان کی جفاکشی اور دکھاوے کی خدمت خلق اور خدمت دین سادہ لوح عوام پر ایسی تصویر مرتسم کرتی ہے کہ دھیرے دھیرے وہ ان کے سچے معتقد بن جاتے ہیں- لہٰذا اب ہمیں بھی میدان عمل میں سستی و کاہلی کا لباس اتار کر اخلاق کا ہتھیار لے کر عمل پیہم کی سواری پر سوار ہوکر محکم یقین کے ساتھ جہد مسلسل کو مہمیز کرنے کی ضرورت ہے اور اگر یہ نوجوان شہزادگان اس مہم کی قیادت کریں تو نتیجہ انتہائی خوش کن ہوسکتا ہے لیکن ضرورت ہے کہ علمائے کرام اور صاحبزادگان آپسی تال میل اور افہام و تفہیم سے کام لیں اور ہر حال میں اخلاص، اصلاح مفاسد اور سادہ لوح امت پیش نظر رہے-

دعوت و تبلیغ کی راہ پر عملاً چلنے کی ضرورت

جوہر ہندی

کسیاری، پوسٹ پوٹھیا ریلویس اسٹیشن، وایا طیب پور، کشن گنج (بہار)

مکرمی چیف ایڈیٹر صاحب! تسلیمات وافرہ...... آپ کا موقر جریدہ باصرہ نواز ہوا، پڑھ کر دل مسرور ہوا اور روح کو تسکین ملی اور اس کے تمام حصولات اچھے لگے، مسلم میڈیا کا قیام عصر حاضر کی ضرورت ہے اور مسلمانوں پر شب و روز ہونے والے حملوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے نفیس اقدام ہے- مولانا غلام مصطفی مصباحی نے معترضین کے شبہات کا ازالہ فرمایا ہے تو مولانا منظر الاسلام ازہری نے اپنی تحقیقات و تدقیقات کی روشنی میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے ہم نواؤں کی خبر لی ہے- مولانا ذیشان احمد مصباحی کے قلمی واردات اختلاف کے محاسن بتا رہے ہیں تو مولانا طاہر القادری کلیم فیضی کی تحریر مخالفت کے قبیح انجام بتا رہی ہے-

آج اگر ہم امت مسلمہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ہر چہار جانب مخالفت ہی نظر آتی ہے، ملت کا شیرازہ بکھر چکا ہے، لوگ دست و گریباں ہیں، اتحاد کی راہ وا ہونے کے بجائے روز بروز مسدود ہوتی جارہی ہے اور قوم کے (جھوٹے) رہنما اپنی باہمی چپقلش کو بڑھاوا دے کر اپنی روٹی سینکنے اور جیب بھرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں- انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ کتنی تیزی سے قوم مسلم تباہی کے دہانے کی جانب بڑھتی جارہی ہے؟ قوم مسلم کو کن چیزوں کی ضرورت ہے؟ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریاں کیسے ادا کی جائیں؟ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی حقانیت کیسے اجاگر کی جائے؟ کیا امریکی عالم زید شاکر حفظہ اللہ تعالیٰ کا انٹرویو ہمیں یہ نہیں بتا رہا ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کے مقابلے میں بد مذہبوں مثلاً سلفیوں، وہابیوں وغیرہم سے کتنے پیچھے ہیں؟ کیا مولانا رمضان الٰہی کی نگارش اپنی زبان حال سے یہ بیان نہیں کررہی ہے کہ ہم میدان دعوت و ارشاد میں اپنی کم علمی، اور خصوصاً انگریزی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر تقریباً ناکام ہیں- یہ کہہ دینا تو بالکل آسان ہے کہ ہم دین اسلام کی خدمت کررہے ہیں، اسلام کے عظیم مبلغ ہیں، ہم نے بد مذہبوں کے دانت کھٹے کردیئے، ہم جس سمت اپنا رخ موڑ لیتے ہیں تو کفر و ارتداد کی ظلمتیں کافور ہوجاتی ہیں لیکن کون دین اسلام کی حقیقی خدمات انجام دے رہا ہے، کون اسلامی تعلیمات کی روشنیوں سے دنیائے کفر و بدعات کی تاریکیاں مٹا رہا ہے، یہ تو جگ ظاہر ہے- چند سال پہلے کی بات ہے اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھا، افغانستان پر امریکہ تباہیاں مچا رہا تھا، پورا عالم اسلام سوگوار تھا، ایک مکرم عالم دین اپنی دعوت و تبلیغ کی خدمات حاضرین جلسہ کے سامنے پیش فرما رہے تھے کہ ۹/۱۱ کے بعد امریکہ میں اسلام برق رفتاری سے پھیل رہا ہے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام کے ظل ظلیل میں آرہے ہیں، فلاں دن اتنے ہزار غیر مسلم اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے، فلاں مہینے میں اتنے

لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور چند ہی سالوں میں امریکہ اسلامی ملک ہو جائے گا- پھر نعرہائے تکبیر کی آواز سے ساری فضا گونج اٹھی- یہ بیان کس قدر اصلاحی اور اس میں کتنی حقانیت ہے، یہ اہل فہم پر پوشیدہ نہیں- اگر انہیں سے پوچھا جاتا کہ آپ کے دست اقدس پر کتنے غیر مسلم مسلمان ہوئے تو شاید وہ جواب دے جاتے-

آج یہ بڑا المیہ ہے کہ نہ ہمارے مقررین اور اصحاب قلم میں ــــ الا ماشاء اللہ ــــ اصلاح امت کا جذبہ نظر آتا اور نہ انہیں اس میں کچھ دلچسپی ہے- اس لیے آج حالات کو سمجھنے کی ضرورت ہے- جام نور کی ٹیم کسی حد تک انہیں زلف تاب دار کو سنوارنے میں لگی ہے، یہ کام گو کہ مشکل ہے تاہم محال تو نہیں ــــ خدا کرے یہ جذبات دیرپا ہوں اور یاس وقنوط دامن گیر نہ ہو-

جام نور واقعی ملت کا ترجمان اور اہل سنت کا نقیب ہے

محمد جسیم خان عنبر القادری

ناظم اعلیٰ: دارالعلوم رضویہ یتیم خانہ، راجگانگ پور، سندر گڑھ (اڑیسہ)

عالی وقار جناب خوشتر نورانی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ...... اپریل ۲۰۰۸ء کا جام نور اپنی تمام تر رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ باصرہ نواز ہوا- واقعتا جام نور جن موضوعات پر گفتگو کرتا ہے ہمارا یقین اس سے اور بھی مستحکم ہو گیا ہے کہ جام نور صرف ملت کا ترجمان ہی نہیں بلکہ اہل سنت وجماعت کا نقیب بھی ہے- مضامین کا حسن انتخاب آپ ہی کا حصہ ہے-

جناب ڈاکٹر اخلاق احمد آہن کا مضمون ''مٹھی بھر یہودی دنیا کے حاکم کیوں؟'' پڑھ کر ایسا لگا جیسے موصوف نے ہماری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو- ڈاکٹر صاحب کا مضمون اُن صاحبان جبہ ودستار کے لیے، تازیانہ عبرت ہے جنہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے ملت کے مفاد کو قربانی کی بھینٹ چڑھا دیا ہے- علم وہنر اور سیاست ومذہب کو دو الگ الگ خانوں میں رکھ کر ملت کی تقسیم کر دی ہے، اس کی مثال ماضی میں کم ہی ملتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ صنعت وحرفت، تجارت ومعیشت کے میدان میں آگے آئے علم دین ودنیا یکساں طور پر حاصل کرے تب ہی ہمارا کھویا ہوا وقار ہمیں مل سکتا ہے- تمام مشمولات بہت ہی اچھے ہیں اور آپ کی حسن ادارت کا منہ بولتا ثبوت بھی! خاص کر پروفیسر اختر الواسع صاحب کا انٹرویو بہت ہی اچھا لگا، ضرورت ہے کہ ہر ماہ کسی عالمی یا ملکی شہرت یافتہ دانشور، اسکالر خطیب وغیرہ کا انٹرویو شائع ہو، تاکہ جو طلبہ طلب علم میں مصروف اور ہمارا کل ہیں، ان کے ذہن وفکر بھی تعمیری انداز میں سوچنے کے عادی ہو جائیں- جام نور اتنا محبوب رسالہ ہے کہ ہر ماہ اس کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے-

دنیا نہیں مردان جفاکش کے لیے تنگ

مولانا غلام معین الدین قادری

امام جامع مسجد گوری پور لائن ۵۶/۱، پوسٹ گریفہ، ضلع ۲۴ پرگنہ (مغربی بنگال)

مخدوم گرامی وقار مولانا خوشتر نورانی صاحب زید مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... اپریل ۲۰۰۸ء کا جام نور باصرہ نواز ہوا- سرورق دیکھ کر دل سے دعا نکلی، پروردگار عالم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے پوری ٹیم کو خلوص وللہیت کے ساتھ کام کر کے آخرت کے بھرپور توشہ کی توفیق بخشے- بقول حضرت سید محمد اشرف مارہروی ''ملکی سطح کے میڈیا کا مقابلہ کرنے کے لیے جام نور کے پاس ایک مضبوط اور اچھی ٹیم ہے'' اس لیے آپ ہر صوبے سے یا جس صوبہ میں اپنی ہر طرح سے معاونت ہو سکے ایک روزنامچہ نکالیں- مخالفین کے رویے کو دیکھ کر تو دل کڑھتا تھا مگر ملت کے ترجمان نے بروقت ڈھارس بندھائی- مجھے معلوم ہے مدنی التجا تو آسان ہے مگر عمل پیرا ہونا نہایت دشوار ہے، پھر بھی۔

چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسس ــ دنیا نہیں مردان جفاکش کے لیے تنگ

آپ کی ٹیم جیسی شاہین صفت کے لیے کچھ بعید نہیں- کلکتہ میں صرف انہیں کا اخبار ہے کبھی مسلم پرسنل لا کی آڑ میں مسلمانوں کی قیادت کا اعلان کرتے ہیں تو کبھی غلط تشریح کے ذریعے لوگوں کے اذہان کو اپنے تابع کرنا چاہتے ہیں، علمائے اہل سنت اگر جواب سے بھی نوازتے ہیں تو یہ

شائع نہیں ہوتا یا پھر نام ہی غائب۔
خیر! آپ ایک بلند حوصلہ اور شاہین صفت انسان ہیں، آپ کے حوصلوں کو کوئی سخت چٹان بھی پاش پاش نہیں کر سکتا۔ امید کہ ایک نظر ادھر بھی!

میدان صحافت کی طرف پیش قدمی قابل مبارک باد

محمد طاہر حسین مصباحی
زیر تربیت افتا مرکزی ادارہ شرعیہ، سلطان گنج، پٹنہ (بہار)

مکرمی مدیر اعلیٰ ماہنامہ جام نور دہلی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ..... مئی کا جام نور نظر نواز ہوا، اکثر مشمولات و محتویات معلوماتی اور فکر انگیز ہیں۔ "نیشنل میڈیا کنونشن" کی سرگزشت پر آپ کا خوب صورت اداریہ مطالعہ سے گزرا۔ جس عظیم معرکہ کو سر کرنے کے لیے آپ پوری ٹیم کے ساتھ میدان میں آئے ہیں، اس کی ضرورت اس جماعت کو عرصہ دراز سے تھی۔ میڈیا ایک بڑی قوت ہے اور اس میڈیائی دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کا جو تانتا بندھ گیا ہے، اس کا جواب میڈیا ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اپنے ملک ہندوستان میں بھی آئے دن مسلمانوں کو کسی نہ کسی مسئلہ میں الجھا کر ان کی فکری پرواز کو مجمد کرنے کی جس طرح مسلسل سازش کی جارہی ہے وہ لمحہ فکریہ ہے۔

ابھی گزشتہ ۱۲/اپریل ۲۰۰۸ء کو پٹنہ ہائی کورٹ نے ایک مسلم جوڑے کے طلاق کے مقدمہ میں فیصلہ دیا ہے کہ مطلقہ عورت اپنے سابق شوہر سے اس وقت تک نان ونفقہ کی حقدار ہے جب تک کہ اس کی دوبارہ شادی نہیں ہو جاتی، یا وہ مطلقہ خود کفیل نہیں ہو جاتی۔ دنیا جانتی ہے کہ ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ غیر شرعی اور قرآن واحادیث کے سراسر خلاف ہے۔ ایسے غیر شرعی قوانین کو ناکام کرنے اور اپنا پیغام پارلیمنٹ اور عوام تک پہنچانے کا آسان ذریعہ میڈیا ہی ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسا میڈیا سینٹر نہیں ہے جو موثر انداز میں اپنی باتیں دوسروں تک پہنچا سکے۔ آپ نے اس راہ میں پیش قدمی کر کے وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پوری کیا ہے، اس کے لیے آپ کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے۔ اسلامیات کے کالم کے تحت مولانا منظر الاسلام ازہری کا تحقیقی مضمون "حدیث او عال روایت ودرایت کی روشنی میں" بیشتر لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے، مضمون مسلسل لکھ رہے ہیں اور اچھا لکھ رہے ہیں۔

پیش کش کے کالم میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی کتاب "خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا" پر مولانا ملک الظفر سہسرامی کا تبصرہ پڑھنے کا موقع ملا، اس کے مطالعہ سے پہلا تاثر یہ ابھرتا ہے کہ فاضل تبصرہ نگار نے کتاب کی بجائے مؤلف کتاب کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس لیے تبصرہ کی بہ نسبت مؤلف کی تحسین کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔ تبصرہ میں بعض اہم اور قابل ذکر پہلوؤں کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے، جس کا ذکر کرنا ناگزیر تھا، مثلاً آغاز کتاب میں مولانا ڈاکٹر شمس مصباحی کا افتتاحیہ، حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری، لاہور پاکستان کا تعارف، پروفیسر سید طلحہ رضوی برق، دانا پور، پٹنہ کی تقریظ، مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری المجمع الاسلامی مبارک پور کا تاثر اور ڈاکٹر امجد رضا امجد چیئرمین القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ، بہار کا ایک طویل معلوماتی مقدمہ بھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا ۳۸ صفحات پر مشتمل یہ وقیع مقدمہ اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں انہوں نے مختلف ذیلی سرخیاں مثلاً خطوط مشاہیر کے موضوعات، مسئلہ آذان ثانی، تحریک ندوہ، ندوہ کے تعلق سے مشاہیر کے نظریات، امام احمد رضا اپنے مکتوب نگاروں کے درمیان قائم کر کے پوری کتاب کا بھرپور جائزہ پیش کر دیا ہے۔ نیز تحریک ندوہ کے ذیل میں امام احمد رضا کے بعض رسائل دوسروں کے نام سے شائع ہوئے اس جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر اصولی اعتبار سے مؤلف کتاب کی محنت، جستجو اور حسن ترتیب کی تعریف کے ساتھ کتاب میں قابل ذکر کمی کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ مگر حیرت ہے اس کے باوجود مولانا ملک الظفر کا قلم یہ لکھنے سے قاصر رہ گیا ہے کہ اس کتاب میں ایک مقدمہ بھی ہے، یا پھر ممکن ہے فاضل تبصرہ نگار تک کتاب کا غلطی سے کوئی ایسا نسخہ پہنچ گیا ہو جس میں مقدمہ شامل ہی نہ ہو۔ بہر حال آپ کا تازہ شمارہ معلوماتی اور فکر انگیز ہے، دعا ہے اس کی مقبولیت ہمیشہ بڑھتی رہے۔

□□□

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی☆

شرعی عدالت

اس کالم میں آپ شرعی امور سے متعلق کوئی بھی سوال مفتی صاحب قبلہ کو خط لکھ کر پوچھ سکتے ہیں، آپ کے سوالات اور مفتی صاحب کے جوابات ہر ماہ اس کالم میں شائع ہوا کریں گے۔ شرعی عدالت کے لیے آپ اپنے سوالات اس پتے پر ارسال کریں:-

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی ضلع مئو (یوپی)

قبرستان میں سلیپ ڈال کر مسجد بنانا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے ملت و مفتیان اہل سنت مسئلہ ذیل میں کہ (۱) ایک مسجد شریف کو شہید کر کے توسیع کرنا مقصود ہے۔ مسجد کے آگے کی طرف یعنی قبلہ رو مسجد کی طرف تین فٹ جگہ ہے اور اس کے بعد قبرستان شروع ہو جاتا ہے اب اگر مسجد کی جگہ میں بنیاد ڈال کر ایک سلیپ Slape بنایا جائے جو ہوائی طور پر قبرستان پہ ہوگا اور اس پر ایک بڑا محراب تعمیر کیا جائے تو کیا یہ امر عندالشرع درست ہوگا یا نہیں؟

(۲) مسجد کے پیچھے آٹھ فٹ جگہ ہے لیکن ایک شخص کی گواہی کے مطابق وہاں پر ایک پچاس سالہ پرانی قبر ہے۔ اب اگر اس قبر سے پرانی مٹی نکال کر نئی مٹی ڈال دی جائے اور اس جگہ کو مسجد میں شامل کر لیا جائے یا اس جگہ پر بھی پیلرس کی مدد سے سلیپ ڈال کر مسجد تعمیر کی جائے تو کیا یہ درست ہوگا یا نہیں؟

(۳) جب تک مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام مکمل ہو اس وقت تک اگر عارضی طور پر قبرستان کے اوپر ایک دو منزلہ لکڑی کا شیڈ بنایا جائے جو پیلرس کی مدد سے تیار شدہ ہو تو کیا اس شیڈ کی دو منزلوں میں سے کسی ایک میں نماز ادا کرنا درست ہوگا، یا دونوں میں درست ہوگا، یا کسی میں بھی نہیں؟

واضح رہے کہ سب جگہ کی قلت کے باعث ہے چونکہ محلہ میں ایسی جگہ نہیں کہ مسجد تعمیر کی جائے ہاں محلّہ سے دوری پر مسجد کے لیے جگہ مل سکتی ہے لیکن اس صورت میں محلہ کی پرانی مسجد کا غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہے نیز عوام کو بھی دشواریاں پیش آئیں گی۔

لہٰذا حضور والا سے پر خلوص التجا ہے کہ مندرجہ بالا صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت مطہرہ کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: غلام جیلانی شاہ، آرہ بل ڈورو شاہ آباد، ضلع اسلام آباد، کشمیر

جواب :- (۱) جب کہ بنیاد مسجد کی زمین پر ہو، حدود مقبرہ سے علاقہ نہ رکھتی ہو تو اگر سلیپ اتنی اونچائی پر ڈالی جائے کہ زمین پر مقبرہ نہ رکے نہ اس میں مردوں کو دفن کرنے اور اس کی غرض سے لوگوں کے آنے جانے کی راہ بند ہو جائے، اس میں حرج نہیں۔ جب کہ یہ کاروائی اہل محلہ کی ہو یا ان کی اجازت سے ہو کہ اس حالت میں قبرستان پر کوئی بیجا تصرف نہ ہوگا نہ وقف کو روکنا پایا جائے گا نہ قبرستان کی وقفی زمین کو کسی دوسرے کام میں صرف کرنا ہوگا۔ ہاں تصرف ہوگا، تو بالائی ہوا میں اور ظاہر ہے کہ بالائی ہوا نہ موقوف ہے نہ مملوک۔ پھر یہ تصرف غیر مضر بھی مسلمانوں کے نفع کے لیے ہی ہوگا۔ تو ایسا کرنے میں حرج نہیں۔ فتاوی عالم گیری میں ہے ذکر فی المنتقی عن محمد رحمه الله تعالى فی الطريق الواسع بنی فيه أهل المحلة مسجد او ذلک لايضر بالطريق فمنعهم رجل فلابأس أن يبنوا كذا فی الحاوی.

(۲) مسجد کے پیچھے آٹھ فٹ کی جو جگہ ہے اگر وہاں پرانی قبر ہے تو خواہ پرانی قبر سے مٹی نکالی جائے یا نہ جائے بہر حال اسے شامل مسجد کرنا جائز نہ ہوگا۔ ہاں یہ صورت جائز ہوگی کہ اس جگہ قبر کی حدود سے باہر پیلر کی مدد سے سلیپ ڈال کر مسجد کی توسیع کر دی جائے۔ خزانۃ المفتین کے حوالے سے فتاوی رضویہ میں ہے۔ قوم بنوا مسجد او احتا جوا إلى مكان يسع المسجد و اخذ وامن الطريق و ادخلوه فی المسجد ان كان يضر باصحاب الطريق لا يجوز و ان كان لا يضر بهم رجوت ان لايكون به باس كذا فی المضمرات وهو المختار۔ اس صورت میں سلیپ ڈال کر جو توسیع ہوگی وہ مسجد ہی ہوگی۔ اس میں نمازی کو مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ قبروں کی سطح بالائی حق میت ضرور ہے مگر یہ حق

☆Jamia Amjadia Rizvia,Po.Ghosi,Distt.Mau(U.P) Phone:05474-222046

مانع مسجدیت نہیں- فتاوی رضویہ میں اس کی وجہ یہ ذکر فرمائی کہ "اس حق سے مراد کسی کی ملک یا وہ حق مالکانہ ہے جس کے سبب وہ اس مسجد میں تصرف سے مانع آسکے کہ جب ایسا ہوگا تو وہ خالص لوجہ اللہ نہ ہوئی اور مسجد کا خالص لوجہ اللہ ہونا ضروری ہے...... مطلقاً حق العبد کا تعلق اگر مانع مسجدیت ہوتو کوئی مسجد مسجد نہ ہوسکے- ملتقطا (ج:٦،ص:٤٠٠)

(٣) مسجد کی تعمیر ہونے تک عارضی طور پر قبرستان میں لکڑی کا شیڈ بنانا بھی بشروط مذکورہ جائز ہوگا- کہ پیلر حدود مقبرہ سے باہر ہوں، اس شیڈ کے تیار کرنے سے نہ دفن موتی رکے نہ آنے جانے والوں کا راستہ مسدود ہوتو حرج نہیں- واللہ تعالیٰ اعلم

غیر حاضری کرنے والے امام کی امامت

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسجد کے اُس امام کے بارہ میں جو مسجد ومحراب کو ہفتوں اور مہینوں غیر آباد چھوڑے اور اکثر نذرانے والی تقاریب، یعنی ایصال ثواب، ختمات، نکاح خوانی، جھاڑ پھونک، گنڈہ تعویذ وغیرہ میں ہی مصروف رہے اور صرف ماہ صیام میں بلا ناغہ اس لئے آئے کہ یہاں صیام میں امام کے لیے چندہ جمع ہوتا ہے اور اچھی اجرت ادا کی جاتی ہے، ماہ صیام کے بعد پھر نذرانے والی تقاریب میں مصروف ہو جاتا ہے- عوام اتنے سادہ لوح ہیں کہ قربانی کے بکرے پر تکبیر بھی نذرانے کے عوض پڑھاتے ہیں، امام موصوف یہ فریضہ بھی خود ہی انجام دینے کوشش کرتے ہیں- سادہ لوح عوام کچھ کہنے سے کتراتے ہیں کہ اگر گھر میں موت واقع ہوتو امام موصوف تجہیز وتکفین بھی خود ہی کرتے ہیں اور اس پر بھی نذرانہ ملتا ہے اور یہ وہ حق جتلاتے ہیں کہ اس علاقہ میں تمام نذرانے والی تقاریب کا حق ان کے بغیر کسی دوسرے کو نہیں- خواہ کسی ادارے کا سند یافتہ عالم دین ہی کیوں نہ ہو- امام موصوف ایک سرکاری ملازم ہیں ناظرہ اور تجوید بھی نامکمل ہے-

ان حالات میں چند ذی شعور افراد نے اس علاقہ میں مسجد شریف کے پہلو میں مدرسہ قائم کیا اور جامعہ نعیمیہ کے سند یافتہ قاری اور مولوی فاضل نے درس وتدریس کا کام شروع کیا، تھوڑی ہی مدت کے بعد امام موصوف کی مقبولیت کم ہونی شروع ہوئی اور امام موصوف مدرسہ کے خلاف ہوگئے اور سادہ لوح عوام کو ورغلانا شروع کیا اور مدرسہ کو چندہ دینا بھی بند کر دیا اور مقیم طلبہ کے والدین کو مدرسہ میں اپنے بچوں کو داخل کرانے سے روکنے لگا، جس پر چند افراد نے امام موصوف کو ان حرکات سے باز رہنے کی ہدایت بھی کی مگر امام موصوف کے سامنے مدرسہ اور مدرس برابر کھٹکتے رہے اور امام موصوف برابر مدرسہ کو ناکام کرنے کی سعی کرتا رہا- مسجد کمیٹی قومی صدقات اور عطیات کے تصرف کو ہی اپنا فریضۂ منصبی سمجھتی ہے اور ممبر ومحراب میں معیار شریعت کے مطابق اس کی آباد کاری سے لاعلم بھی ہے اور لاتعلق بھی- اگر کہیں معیار شریعت کو مدنظر رکھ کر مقتدی متبادل بندوبست کر بھی لیتے ہیں تو انتظامیہ اس اقدام کو ذاتی وقار میں دخل اندازی تصور کر کے رد کرتی ہے- امام کی مسلسل غیر حاضری پر جب انتظامیہ سے رجوع کیا جاتا ہے تو انتظامیہ ترک جماعت کی اجازت دینے سے بھی نہیں کتراتی مگر امام موصوف کی غیر حاضری میں متبادل بندوبست کرنا ضروری سمجھتی ہے- مستفتی نے عرصہ ڈیڑھ سال قبل مسجد شریف میں ایک اشتہار بھی چسپاں کیا تھا اشتہار کی کاپی استفتا کے ساتھ شامل ہے- ان حالات میں دریافت طلب امور حسب ذیل ہیں؟

(١) امام موصوف کا من مانی سے منبر ومحراب پر قبضہ جمانے کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟ جو مستقل مسجد میں پنجگانہ نماز ادا کرتے ہیں، نصف سے زیادہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے البتہ ان کی تعداد کم ہے زیادہ تر ماہ صیام میں جو آتے ہیں اور نماز سے زیادہ ختمات پر اکتفا کرتے ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے امام موصوف نے اسی کو جواز بنا کر مصلے کو اپنی گرفت میں رکھا ہے- امام موصوف کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

(٢) مسجد کی وہ انتظامیہ جو ضروریات دین سے اتنی لاتعلق اور لاعلم ہو ان کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟

(٣) امام موصوف دو عہدوں کا اجیر ہے یعنی سرکاری ملازمت اور گاؤں کی مسجد میں امامت کا اجیر جو ماہ صیام میں ہر سال ادا کی جاتی ہے- دونوں عہدوں کی اجرت میں فرائض منصبی کس طرح ادا کیے جاتے ہیں- ان اجرتوں کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟

المستفتی ——— منظور اویسی بھدرواہ کشمیر

جواب:- (١) جب یہ امام بکثرت غیر حاضری کرتا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات جماعت بھی نہیں ہو پاتی پھر اس کا ناظرہ وتجوید بھی نامکمل ہے اور اس امام کے پیچھے آدھے سے زیادہ لوگ نماز پڑھنا نہیں چاہتے تو اس کے پیچھے نماز بچند وجوہ ممنوع وناجائز ہے ایک تو یہ کہ اس کی تجوید نامکمل ہے ——— بقیہ صفحہ ٥٢/ پر ملاحظہ فرمائیں

روبرو

مولانا احمد القادری مصباحی صاحب

بانی وسربراہ اسلامک اکیڈمی، امریکہ سے ایک خصوصی ملاقات

مولانا احمد القادری مصباحی کا شمار ہندوستان کی ان ذی علم شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے چشمۂ علم سے ہزاروں تشنگان علوم کو ملک و بیرون ملک سیراب کیا- مولانا ایک اچھے عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے حافظ اور بہترین قاری بھی ہیں- آپ کی پیدائش ۱۲ رجب ۱۳۷۸ھ ضلع اعظم گڑھ یوپی کے ایک گاؤں ''بھیرہ ولید پور'' میں ہوئی- ابتدائی تعلیم کچھ تو اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کیا اور کچھ اپنے گاؤں کے مدرسہ رحیمیہ میں، قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد گئے اور تکمیل ہندوستان کی عظیم دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں کی، یہیں سے قرات حفص اور درس نظامی کی سند بھی اعلی پوزیشن کے ساتھ ۱۹۸۳ء میں حاصل کی- اس کے ساتھ ساتھ الہ آباد بورڈ سے منشی کامل، مولوی، عالم، فاضل اور جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب ماہر اور ادیب کامل کی ڈگری بھی حاصل کی- علم حدیث وفقہ اور طریقت میں بھی متعدد اکابر سے آپ کو اجازت حاصل ہے- فراغت کے بعد بالترتیب دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، دارالعلوم اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد، مدرسہ مدینۃ العلوم بنارس اور پھر اخیر میں ہندوستان میں اہل سنت کی مرکزی دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں تدریسی خدمات سے منسلک رہے- مولانا احمد القادری بہترین مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ داعیانہ خوبیوں سے بھی متصف ہیں، انہیں خوبیوں کی وجہ سے حاجی رفیق احمد برکاتی کی دعوت پر ۱۹۹۵ء میں افریقہ کا سفر کیا- یہاں آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کے دوران تقریباً ایک سو لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوئے- اسی غرض سے ۱۹۹۷ء میں امریکہ کا سفر کیا- یہاں پہنچ کر آپ نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے ذریعہ ایک زبردست علمی اکیڈمی ''اسلامک اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی، اکیڈمی کے تحت حفظ وقراءت، افتاء وارشاد اور درس نظامی جیسے اہم شعبے ہیں اور تا حال اس کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں- مولانا احمد القادری کامیاب مبلغ، ماہر مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ وافتاء میں بھی اچھا درک رکھتے ہیں، امریکہ پہنچ کر انہوں نے سمت قبلہ، اوقات نماز جیسے بڑے بڑے مسئلوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے، ان سب کے ساتھ ایک باصلاحیت قلمکار بھی ہیں، اب تک ان کے تقریباً نصف درجن تراجم اور رسالے شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں- جن میں چند یہ ہیں: رفع یدین کا مسئلہ، احکام قربانی وعقیقہ، حالات بنارس، حالات ابوالخیر، حالات کامل، فیض الحکمت ترجمہ ہدایۃ الحکمت وغیرہ- امریکہ میں مذہبی اور مسلکی مسائل پر ان سے لیا گیا تازہ انٹرویو قارئین کی نذر ہے——**خوشتر نورانی**

سوال (۱):- مشرق کی ایک عظیم دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے منصب تدریس کو چھوڑ کر مغرب میں منصب دعوت وتبلیغ سنبھالنے کے بعد آپ نے کیسا محسوس کیا؟

جواب :- الجامعۃ الاشرفیہ اپنا مادر علمی ہے، وہاں جو سہولتیں حاصل ہیں، یہاں کہاں میسر؟ وہاں طلبہ اور شائقین علم دین کی کثرت ہے- گنجائش نہ ہونے کے سبب کتنے طلبہ اشرفیہ سے واپس ہوتے ہیں، یہاں طالبان دین چراغ لے کر تلاش کرنے سے بھی ضرورت کے مطابق نہیں مل پاتے- وہاں مشفق اساتذہ کرام کی سرپرستی حاصل ہے، پیچیدہ عبارات اور علمی مسائل میں ان کی رہنمائی مل جاتی ہے اور یہاں سب مفقود ہے- وہاں کام کرنے کے لیے بنی بنائی فیلڈ موجود ہے اور یہاں بنانا ہے- وہاں درس وتدریس کا ایک بنا بنایا ماحول ہے، یہاں ماحول سازی کرنی ہے، وہاں جامعہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ذرائع آمدنی پیدا کرنے کی فکر اساتذۂ کرام کو نہیں کرنی ہے، اس کے لیے مخلص انتظامیہ کا پورا عملہ موجود ہے اور یہاں خود ہی سب کچھ کرنا ہے-

یہاں کے لیے یہ مثل صادق آتی ہے- کنواں کھودو، پانی نکالو

گویا پہلے یہاں کنواں تیار کرنا ہے پھر اس سے پانی نکال کر اپنی علمی پیاس بجھانی ہے اور وہاں کنواں موجود ہے، اپنے ہاتھ سے پانی بھی نہیں نکالنا ہے- مخلص طلبہ کی ایک قطار پانی لیے کھڑی ہے، بس پینا ہے- بعض لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرتے، شائقین طلبہ درس گاہ میں اسباق کے لیے حاضر ہیں اور معلم صاحب باہر کہیں گپ شپ میں مصروف ہیں- زمانہ امتحان آگیا، حاضر رہتے ہوئے نصاب تعلیم مکمل

نہیں ہو پاتا جبکہ دیگر مخلصین اساتذہ کا نصاب امتحان سے بہت پہلے ہی پورا ہو چکا ہوتا ہے۔

ہم نے محسوس کیا کہ کوئی دینی علمی انقلاب لانے کے لیے یہاں خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔ اسی احساس کے پیش نظر ۲۰۰۱ء میں داعی اسلام حضرت مولانا بدر القادری صاحب دامت برکاتہم ہالینڈ کی سرپرستی میں اسلامک اکیڈمی کا قیام کرایہ کے ایک سینٹر میں عمل میں آیا۔ پھر آگے چل کر ۲۰۰۳ء میں عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور جن دنوں امریکہ تشریف لائے تھے ان کی دعاؤں کے ساتھ اسلامک اکیڈمک کے زیر اہتمام دار العلوم عزیزیہ کرایہ کی ایک بلڈنگ میں قائم ہوا۔ مشرق میں دینی علمی انقلاب برپا کرنے والی عظیم شخصیت الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حافظ ملت مولانا عبد العزیز محدث مبارکپوری علیہ الرحمہ کے اسم گرامی سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام دار العلوم عزیزیہ رکھا گیا، پھر حافظ ملت کا فیضان رنگ لایا اور ۲۰۰۳ء میں ایک ایکڑ سے زائد وسیع و عریض زمین لب روڈ خاص درمیان شہر خریدی گئی اور حافظ ملت علیہ الرحمہ ہی کے اول ترین شاگرد حضرت مولانا قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ کے داماد وخلیفہ پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم نے ۶/مئی ۲۰۰۷ء کو اپنے مبارک ہاتھوں سے دار العلوم کا سنگ بنیاد رکھا اور چند ہی ماہ بعد ۱۲/اگست ۲۰۰۷ء میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ایک بڑے لائق اور قابل فخر تلمیذ رشید حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی دامت برکاتہم جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے مبارک ہاتھوں دار العلوم کی نئی بلڈنگ کا افتتاح عمل میں آیا۔ زمین کی خریداری سے بلڈنگ تک انڈین کرنسی سے تقریباً پونے دو کروڑ روپے خرچ ہو چکے ہیں اور دار العلوم کے منصوبے کے مطابق تقریباً ۸/کرور روپے کا تعمیری کام ابھی باقی ہے۔ اللہ کرے جلد اس کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ آمین۔

الحمد للہ! افتتاح کے دن سے اب تک دار العلوم اپنی خود کی بلڈنگ میں بحسن وخوبی چل رہا ہے۔ جس سے یہ محسوس ہوا کہ اگر محنت اور خلوص سے کام کیا جائے تو بنجر زمین بھی آباد ہو سکتی ہے۔

نہ ہو مایوس اے اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

سوال (۲): - برصغیر ہندو پاک میں اہل سنت وجماعت کو نوزائیدہ فرقوں اور جماعتوں کے ساتھ ہمہ وقت تصادم اور تکرار کی صورت ہے، کیا امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں بھی یہی حال ہے، یا صورت حال کچھ مختلف ہے؟

جواب: - برصغیر ہی کی طرح یہاں بھی فرق باطلہ سے تصادم رہتا ہے مگر یہاں کی صورت قدرے مختلف ہے۔

وہاں گرم وسرد ہر طرح کی جنگ رہتی ہے، کبھی زبانی تصادم ہوتا ہے کبھی قلمی۔ کبھی اینٹ پتھر کی نوبت آجاتی ہے اور کبھی کبھی قتل وقتال اور خوں ریز جنگ بھڑک اٹھتی ہے، یہاں زیادہ تر زبانی یا قلمی تصادم ہوتا ہے۔ ظاہری جنگ وجدال کے بغیر اپنی تحریک مضبوط کرنے کی کوشش میں ہر فرقہ سرگرم عمل ہے، مگر باطل پرست اہل حق سے بغض وعناد اور در پردہ دشمنی ضرور رکھتے ہیں اور اہل حق کی سعی اور ان کی تحریک ناکام بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالی ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

سوال (۳): - مغرب میں فتنۂ قادیانیت کا زور کتنا ہے اور کیا اہل حق اس کے مقابل قابل قدر دفاعی جہاد فرما رہے ہیں؟

جواب: - اہل حق کے لیے قادیانیت سے زیادہ خطرناک وہابیت اور اس سے زیادہ دیوبندیت ہے۔ قادیانیت کا اثر کم لوگ قبول کرتے ہیں، وہابیت کا زیادہ اور اس سے زیادہ دیوبندیت کا۔ کیونکہ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ ہمارے خاتم پیغمبراں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اور قادیانی غلام احمد کو نبی مانتے ہیں اس لیے مسلمان ان سے ہوشیار رہتے ہیں۔

برخلاف وہابیت اور دیوبندیت کے، یہ لوگ اپنے کو اہل سنت کہتے اور لکھتے ہیں۔ عام مسلمان جوان کے توہین رسالت کے عقائد سے واقف نہیں ہوتے انہیں بھی حق پرست اور سنی سمجھ کر ان کی تحریک میں شامل ہو کر ان کے دست وبازو بن جاتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی تحریک کا حصہ بن کر اپنے اسلاف، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے مسلک سے منحرف اور باغی بن کر شدید مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اہل سنت کو اپنے اس قریبی اور خطرناک حریف سے ہوشیار کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

سوال (۴): - یہ بات کہی جارہی ہے کہ مغرب اب مشرق خصوصاً اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے اور آنے والا دور مغرب کا نہیں،

مشرق کا ہے، اس رائے سے کہاں تک اتفاق رکھتے ہیں؟

جواب:- یہ بات تو ظاہر ہے کہ دین پر عمل اور اس کی دعوت-عقائد ونظریات اہل سنت کی ترویج واشاعت مغرب میں مشرق سے زیادہ آسان ہے-اسلام کی دعوت پیش کرنے، قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی ہے، ہندوستان میں دستور ہند کے مطابق مذہبی آزادی ضرور حاصل ہے مگر عملاً پوری آزادی نہیں، تحریر تک محدود ہے- وہاں اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرے تو اس کا یہ بنیادی حق تسلیم نہیں کیا جاتا، وہ ہر قسم کی اذیت سے دوچار ہوتا ہے، بلکہ جس مسلمان کے ہاتھ پر قبول اسلام کیا ہے اس پر بھی سختی ہوتی ہے-عرب شریف میں عقائد اہل سنت کی ترویج واشاعت تو بڑی بات ہے معمولات اہل سنت پر کڑی نگرانی ہوتی ہے-سعودی حکمران اور ان کے کارندے مسلمانوں کو اپنے نبی کا کھل کر یوم ولادت بھی منانے نہیں دیتے جبکہ پوری دنیا میں اس وقت جشن میلاد منایا جاتا ہے-

یہاں کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں بھی مذہبی آزادی ہے، مسلمان طلبہ اگر اپنا اسلامی لباس استعمال کریں اور طالبات حجاب کے ساتھ حاضر ہوں تو انہیں اس سے روکا نہیں جاتا-انہیں اس کی قانوناً اجازت ہے، نماز پڑھنے کی بھی اجازت مل جاتی ہے-

اسلامی مراکز، مدارس، مساجد وغیرہ کے قیام پر پابندی نہیں-لہٰذا اگر ہم اپنی اسلامی تہذیب وثقافت اور احکام شریعت پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی خوش اسلوبی اور حکمت ونصیحت سے دامن اسلام کی پناہ میں آنے اور اس سے ہمیشہ وابستہ رہنے کی دعوت دیتے رہیں اور خوب محنت کریں تو مغربی تہذیب کا اسلامی تہذیب میں بدل جانا ناممکن نہیں-

ہے عیاں قصہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

سوال (۵):-آپ کی ویب سائٹ کافی معلوماتی اور سہل الاستعمال ہے، سوال یہ ہے کہ جن امیدوں اور خیالوں کے ساتھ آپ نے اسے شروع کیا تھا، اس کے ناظرین کے ردعمل کے بعد آپ نے اسے کتنا نتیجہ خیز پایا- نیز یہ بھی بتائیں کہ حق کی ترویج واشاعت کے لئے مزید کس قسم کی ویب سائٹوں کی ضرورت آپ محسوس کرتے ہیں؟

جواب:-الحمدللہ! اپنی ویب سائٹ ISLAMIC ACADEMY.ORG کو امید سے زیادہ نتیجہ خیز پایا- یہ چند سال قبل شروع ہوئی اور آج ۳ مئی کی تازہ ترین Ranking.com کی رپورٹ کے مطابق پوری دنیا کی سنی ویب سائٹوں میں اول نمبر ہے اور دنیا بھر کی اسلامک ویب سائٹوں میں ٹریکنگ کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر اور Trust Gauge میں اول نمبر پر ہے-

دنیا کی 3,593 ویب سائٹوں نے اپنی سائٹ پر اسلامک اکیڈمی کا لنک لگا رکھا ہے، کسی زمانہ میں ہم لوگوں سے درخواست کرتے تھے کہ برائے کرم ہماری سائٹ کا لنک اپنی سائٹ پر ڈال دیں-اب الحمدللہ خود سے یہ مقبولیت حاصل ہوئی-

دنیا کے ہر سرچ انجن میں اسلامک اکیڈمی ٹائپ کر کے اسے دیکھ سکتے ہیں- وہابیوں کی بڑی بڑی تنظیموں کو لاکھوں نمبر پیچھے چھوڑ دیا ہے-۳ مئی کی تازہ ترین Alexa.com کی رپورٹ کے مطابق امریکہ کے اندر وہابیوں کی سب سے بڑی تنظیم 173,664 (ISNA) نمبر اسلامک اکیڈمی سے پیچھے ہے-اور دیوبندیوں کی سب سے بڑی US تنظیم (ICNA) کو 488,654 نمبر پیچھے لائن میں چھوڑ کر اسلامک اکیڈمی آگے نکل چکی ہے-

اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ گزشتہ سال تقریباً ۳۵ ملین (۳ کروڑ پچاس لاکھ) Hits ہوئی تھیں- ایک لاکھ افراد کے قریب ماہانہ آتے ہیں رمضان میں یہ تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے، دوسو سے زائد ملکوں سے بذریعہ ای میل سوالات آتے ہیں، بے شمار ملکوں سے لوگ فون کر کے اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں- بہت سے ممالک میں اسلامی معلومات کے حوالہ سے ٹی وی پر اسلامک اکیڈمی کا نام دیتے ہیں اور وہاں سے نام سن کر ہمارے پاس لوگ ای میل کرتے ہیں- مذکورہ بالا تازہ رپورٹ ہمارے ویب ماسٹر محترم جناب محمد طاہر شفیع صاحب قادری نے فراہم کی ہے، جن کی پرخلوص محنتوں کا یہ نتیجہ ہے-

حق کی ترویج واشاعت کے لیے ہم تین قسم کی ویب سائٹ کی شدت سے ضرورت محسوس کرتے ہیں-

۱-انٹرنٹ کا مدرسہ: جہاں باضابطہ نصاب تعلیم تیار کر کے اسلامی علوم وفنون کی عقائد اہل سنت کے مطابق تعلیم دی جائے-

۲-انٹرنٹ کا دارالافتاء: جہاں دنیا بھر سے آنے والے سوالوں

کے جوابات کے لیے مفتیان کرام کی ایک ماہر ٹیم موجود ہو جو عقائد و عبادات و معاملات وغیرہ سے متعلق آنے والے ہر قسم کے سوالوں کے جوابات عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی کے مطابق انٹرنٹ کے ذریعہ بھیج سکیں۔ گمراہ کن ویب سائٹ دیکھ کر شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جانے والے ناظرین کے ذہن وفکر میں سنی عقائد ونظریات ان کے دلائل و براہین کے ساتھ ڈال سکیں اوران کے وسواس دور کر کے حق وہدایت کی راہ دکھا سکیں۔

ہماری ویب سائٹ اس پر کام کر رہی ہے۔ الحمد للہ! اس کے ذریعہ بہت سے لوگوں نے ہدایت پائی اور گمراہی سے نجات حاصل کی۔ مگر اس پر بڑے پیمانے پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ غیر مسلمین اور نو مسلمین کے لیے ویب سائٹ: جس پر انہیں اسلام کے محاسن بتائے جائیں اور اسلام کی دعوت دی جائے۔ نئے اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کے لیے تعلیم کا بندوبست ہو۔ جو غیر مسلمین اسلام سے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر حق کی تلاش میں سوال کرتے ہیں، انہیں شافی جواب دے کر مطمئن کیا جا سکے اور راہ حق دکھائی جا سکے۔

الحمد للہ! ہماری ویب سائٹ کے ذریعہ کتنے غیر مسلموں نے راہ ہدایت پائی اور مسلمان ہو کر اسلام کے پر امن دامن سے وابستہ ہو گئے۔

سوال (٦):۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں دوران تدریس آپ علمی وتحقیقی مشاغل میں بھی مصروف تھے، امریکہ جانے کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا یا منقطع ہو گیا؟

جواب:۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی علمی وتحقیقی مجلسوں کا جواب کہاں؟ پھر ویسی محفلیں کہاں مل سکیں تاہم حافظ ملت اور اشرفیہ کے فیضان سے دارالعلوم، دارالافتاء اور درس نظامی کی بنیاد ڈال کر علمی مشاغل میں مصروف رہنے کی کوشش جاری ہے۔

۱۹۹۷ء میں امریکہ آتے ہی سب سے پہلا تحقیقی مسئلہ قبلہ کا درپیش ہوا۔ شکاگو میں اہل سنت کا ایک گروہ شمال مشرق نماز پڑھتا دوسرا جنوب مشرق، تحقیق وتخریج سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ امریکہ کا قبلہ شمال مشرق ہے۔ جنوب مشرق قبلہ بتانا درست نہیں، اس سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے رسالہ "کشف العلۃ عن سمت القبلۃ جو اس وقت زیور طبع سے آراستہ نہ تھا"، قلمی نسخہ کا عکس حضرت مولانا عبد الستار ہمدانی صاحب گجرات کی عنایت سے حاصل ہوا اور فاضل معقولات و منقولات حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین کا فتوی جو در حقیقت کشف العلۃ ہی کی روشنی میں تحریر کیا گیا تھا بڑا کام آیا۔ الحمد للہ! ان کی برکت وفیضان سے یہ اختلاف دور ہوا اور لوگ ایک قبلہ پر متفق ہو گئے۔

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی کتاب الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت کے فارمولے کے مطابق، امریکہ اور ایشیا کے بے شمار شہروں کے قبلہ کا ڈائرکشن کمپیوٹر کی مدد سے تخریج کر کے ہماری ویب سائٹ پر ڈال دیا گیا ہے۔

دوسرا تحقیقی مسئلہ نمازوں کے اوقات کا تھا، اس وقت یہاں جو نماز ٹائم ٹیبل رائج تھا اس میں فجر کا وقت ہو جانے کے بعد لوگ سحری کھا رہے ہوتے، وقت مغرب ہی میں عشاء پڑھ لیتے، ظہر کے وقت میں عصر حنفی ہونے سے پہلے مثل اول پر حنفی حضرات بھی نماز عصر ادا کر لیتے۔ اس مسئلہ پر تحقیق شروع ہوئی اور حضرت مولانا مفتی سید افضل حسین مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی مرکز اہل سنت منظر الاسلام بریلی شریف کی کتاب زبدۃ التوقیت سے نمازوں کے اوقات کی تخریج ہوئی پھر کمپیوٹر کی مدد سے ہزاروں شہروں کے دائمی نظام الاوقات تخریج کر کے ہماری ویب سائٹ پر ڈال دیے گئے ہیں۔ الحمد للہ! بے شمار سنی مساجد و مدارس اور عوام نے اسے قبول کر کے اپنی نمازوں کی اصلاح کر لی ہے۔

سوال (٧):۔ آپ ایک عظیم الشان ادارے کی تعمیر کا منصوبہ بھی رکھتے ہیں، جس کا علم ہمیں آپ کی ویب سائٹ سے ہوا، اس زیر تعمیر ادارے کا اجمالی خاکہ کیا ہے، یعنی اس کے تحت آپ کس انفرادی نوعیت کی خدمات انجام دینا چاہتے ہیں؟

جواب:۔ اسلامک اکیڈمی اسلام وسنت کی نشر واشاعت کے لیے امریکہ میں قائم ہوئی۔ اس وقت اس کے متعدد شعبے ہیں۔

دارالعلوم عزیزیہ:۔ امریکہ کا پہلا واحد دارالعلوم ہے جہاں درس نظامی کی تعلیم ہوتی ہے۔

مدرسۃ البنات:۔ یہ لڑکیوں اور خواتین کا شعبہ ہے جہاں ان کو علیحدہ معلمات تعلیم دیتی ہیں۔

دارالفتوی:۔ یہاں انٹرنٹ، خط، فون اور ای میل کے ذریعہ دنیا

بھر سے آنے والے مذہبی سوالوں کے جوابات دیے جاتے ہیں۔

ویکلی اجتماع: -اصلاح معاشرہ کے لیے ہر ہفتہ درس اور ذکر الٰہی کی محفل ہوتی ہے، اس میں شریعت کے ساتھ طریقت کے مسائل بھی سکھائے جاتے ہیں۔

یوتھ اجتماع: -نوخیز بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے یہ ماہانہ اجتماع ہوتا ہے۔ والدین کو اس اجتماع سے بڑی دلچسپی رہتی ہے، وہ اپنے بچوں کے ساتھ خود بھی شریک ہوتے ہیں۔

لیڈیس اجتماع: -خواتین اور بچیوں کی اصلاح وتربیت کے لیے دارالعلوم کی معلمات کے زیر نگرانی ہر ماہ پردے کے اہتمام کے ساتھ ان کا یہ مخصوص اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں مردوں اور بچوں کی شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی۔

اسلامک ویب سائٹ: -انٹرنٹ کے ذریعہ جدید طرز پر اسلام کا آفاقی پیغام نشر کرنا، اسلام وسنت کی نشر واشاعت کرنا، نئی نسل کو قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم دینا، عقائد اہل سنت سے دنیا بھر کو روشناس کرانا، باطل فرقوں اور ان کے خطرناک عقائد ونظریات سے مسلمانوں کو ہوشیار کرنا علمائے اہل سنت کے لٹریچرس فراہم کرنا۔ اس کے زریں مقاصد ہیں۔

پورا قرآن مجید سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ترجمہ کنزالایمان کے ساتھ بہت ہی اچھی آواز میں ڈالا گیا ہے، اب تک بے شمار لوگ اپنے کمپیوٹر میں ڈاؤن لوڈ کر کے سنتے ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار چیزیں ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ۔پتہ یہ ہے WWW.ISLAMICACADEMY.ORG

اسلامک اکیڈمی کے منصوبے

مسجد: -ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر جہاں مسلمانان اہل سنت نماز جمعہ، پنج گانہ اور عیدین وغیرہ اپنے مسلک کے مطابق ادا کرسکیں۔

اسلامک اسکول: -ایک شاندار درسگاہ جہاں عصری علوم اور اسکولوں کے بنیادی نصاب کے ساتھ اسلام وسنیت اور عالم کورس کی طلبہ طالبات کو غیر مخلوط تعلیم دی جائے۔ تاکہ وہ بیک وقت دینی اور دنیوی دونوں تعلیم سے مستفید ہوسکیں۔ بلفظ دیگر ایک جامعۃ البنین ہو، جہاں لڑکوں کو تعلیم دی جائے اور ایک الگ جامعۃ البنات ہو جو لڑکیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔

ہاسٹل: -جہاں بیرون شہر کے طلبہ قیام کر کے اطمینان سے تعلیم حاصل کرسکیں۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

سوال (۸): -جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا پیغام؟

جواب: -جام نور جماعت اہل سنت کا ترجمان، فیض العارفین کا فیضان، رئیس القلم کا ملت پر احسان اور ان کی تاریخی یادگار ہے۔ جام نور مولانا خوشتر نورانی کے علم وعرفان کا عظیم ثمرہ، ان کے رفقا کی کاوشوں کا نتیجہ اور ارباب قلم کا ملی سرمایہ ہے۔ جام نور خود اپنی تنقید چھاپ دینے والا اور تنقید کا تلخ جام رغبت سے پی جانے والا منفرد ماہنامہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رکھے، نظر بد سے محفوظ فرمائے اور دن بدن، سال سال ترقی عطا فرمائے، آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلی الہ وصحبہ افضل الصلوۃ واکرم التسلیم

□□□

ڈاکٹر خواجہ اکرام☆

مشاعروں کی تہذیبی و ادبی اہمیت

اردو زبان کے فروغ میں مشاعروں کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ مشاعروں نے اردو زبان کو عوام تک پہنچانے اور مقبول بنانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ کسی بھی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے ضروری ہے کہ وہ کثرت سے بولی اور سمجھی جائے۔ اردو زبان جو ہندستان کی لینگوا فرینکا رہی ہے، اس زبان کو اس مقام تک پہنچانے میں کئی سماجی اداروں نے اہم کردار نبھایا ہے۔ ان میں خانقاہ، دربار اور بازار کے علاوہ مشاعرے نے بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ مشاعرے سے عام طور پر شعری محفل کا تصور ابھرتا ہے جو بہت حد تک صحیح بھی ہے مگر مشاعرہ صرف یہی نہیں ہے بلکہ مشاعرے اس کے علاوہ بھی اور کئی تہذیبی اور معاشرتی سیاق وسباق رکھتے ہیں۔ مشاعرہ اردو کی حکائی روایتوں میں سے ایک بے حد مقبول سماجی ادارہ ہے۔ ان مشاعروں نے تہذیبی اور ثقافتی روابط کو استحکام بخشنے اور لوگوں کو آپس میں ملنے جلنے کا ایک خوبصورت موقع دیا۔ مشاعرے کے آغاز کا یہ وہ زمانہ ہے جب عوامی سطح پر تفریحی مشاغل کا کوئی تصور نہیں تھا۔ صرف حکمران اور نوابین کو یہ مواقع میسر تھے۔ بقول شاعر:

بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

ایسے میں ان مشاعروں نے جہاں عوام کے لیے بھی یہ موقع فراہم کیا وہیں زبان و ادب کے دائرے کو بھی وسیع کیا اور مشاعروں نے ادب اور عوام کے درمیان پل کا کام کیا۔ اس طرح ادب کا رشتہ سماج سے استوار ہونا شروع ہوا۔ مشاعروں سے عوام کی دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ مشاعرے نہ صرف ذہنی تفریح و تفنن کا ذریعہ تھے بلکہ عوامی جذبات کے بھی نمائندہ تھے۔ کیونکہ اصناف ادب میں شاعری سب سے زیادہ دلکشی اور سحر آفرینی رکھتی ہے۔ اسی لیے عوام کو شعر و شاعری سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اور مشاعروں نے ہمیشہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا ہے۔ شاعری میں جس طرح جذبات و احساسات کی ترجمانی ممکن ہے وہ نثر میں نہیں ہو سکتی۔ اکثر اشعار اس طرح جذبات و کیفیات کی عکاسی کرتے ہیں کہ سننے والا اس میں اپنے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کرتا ہے۔ شاعری کی یہ کرشمہ سازی خود شاعری کو آفاقیت بخشتی ہے تو دوسری جانب عوام کو ادب سے قریب تر لانے کی بھی کوشش کرتی ہے۔

مشاعرے کی تہذیبی اور ادبی اہمیت پر مزید روشنی ڈالنے سے قبل اس کی ابتدا اور ترویج کے مدارج کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ دنیا میں اردو اور فارسی زبان کو ہی اس وقت یہ امتیاز حاصل ہے کہ شعرا کے کلام کو لوگ بڑے اجتماعات میں اتنی دلچسپی سے سنتے ہیں۔ حالانکہ عربی زبان سے اس روایت کا آغاز ہوتا ہے۔ مگر مقبولیت اور چلن کے اعتبار سے اردو میں اس کی روایت زیادہ طویل اور مستحکم ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں شعر و شاعری کا چرچہ عوامی سطح پر کس قدر تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے عرب کے قبائلی تمدن میں ہر قبیلے کے اپنے شعرا ہوا کرتے تھے اور اور جس قبیلے کے پاس جتنا بڑا شاعر ہوتا تھا اس کے لیے وہ فخر و امتیاز کا سبب تھا۔ اسی لیے ادب کی سرپرستی یا شعرا کی سرپرستی کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے ادب کی سرپرستی بھی اسی دور نے کی۔

اس عہد میں تمام فنون لطیفہ میں شاعری کو خاص وقار حاصل تھا۔ اسی لیے جن شعرا کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کیا جاتا تھا اسے خانۂ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ مگر یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ عکاظ کے میلے میں جو بڑے شعرا تھے وہ اپنا کلام خود نہیں سناتے تھے بلکہ ان کے روای ہوا کرتے تھے۔ عکاظ کے میلے کے بعد عرب میں مجلس میں شعر پڑھنے کی یہ روایت اسلام کی آمد کے بعد بھی برقرار رہی مگر اب اسے عوامی تفریح کا ذریعہ نہیں سمجھا گیا بلکہ شاعری کو پاکیزگی اور نیک جذبات کے اظہار کا وسیلہ قرار دیا گیا۔ حسان بن ثابت کی شاعری کو لوگ بڑے اجتماعات میں سنتے تھے۔ لیکن زمانۂ جاہلیت کی وہ شعری روایت برقرار نہیں رہی جن میں عاشقانہ جذبات و کیفیات کو تلذذ

☆WF,06-Barhamaputra Hostel,Poorvanchal,J.N.U,New Delhi-67

کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ روایت کمزور پڑتی گئی اور اب چونکہ وہاں شہنشاہیت ہے اس لیے مجموعی طور پر ادب کو کھلی فضا میسر نہیں ہے۔ تو شاعری کو بھی یہ مواقع کم ملتے ہیں۔

عرب کے بعد ایران میں شاعری کو دربار میں فروغ ملا اور بادشاہ کے سامنے ان کی شان میں قصائد پڑھنے کی روایت اتنی مضبوط ہوئی کہ عوامی مجلسوں کے بجائے شعرا نے اپنا سارا زورِ قلم اور زورِ طبع قصائد پر صرف کر دیا۔ ایران کے مقابلے ہندستان میں اس کی روایت ذرا مختلف ہے۔ ہندستان میں ادب اور شاعری کو سب سے پہلے صوفیا نے جگہ دی اور یہیں سے شاعری پروان چڑھتی ہے۔ نظام الدین اولیا کے دربار میں امیر خسرو کی شاعری کے علاوہ متصوفانہ کلام اور محفل سماع میں پڑھے جانے والے کلام اس حقیقت کے غماز ہیں کہ اس دربار میں بھی ہندستانی زبان کو ہی تبلیغ و اشاعت کے لیے ذریعۂ اظہار بنایا گیا۔ اسی طرح سعد الل گلشن، مخدوم جہانگیر اور دوسرے تمام صوفیا نے اس زبان کو اپنا کر اس کے فروغ کے دروازے کھول دیے۔ صوفیا کے بعد اگر دربار کا جائزہ لیں تو اس ادارے نے بھی زبان کی سرپرستی کی اور زبان و ادب کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن عوامی سطح تک رسائی کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو کئی حکائی روایتوں کے ساتھ ساتھ اردو کے مشاعروں نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔

اس طرح یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہماری مشترکہ تہذیب کو جو ثقافتی ورثے ملے ان میں ایک وقیع ورثہ "مشاعرہ" بھی ہے۔ مشاعرہ یعنی شاعروں کا ایک ایسا اجتماع جس میں شعرا تقابل اور تسابق کا جذبہ لے کر جمع ہوں اور شائقین سخن کو اپنا کلام سنا کر دادِ سخن لیں ۔ ہندستان میں ایسی روایت اردو کے علاوہ اور کسی زبان میں نہیں ملتی کہ جس میں شعرا کا کلام سننے کے لیے عوام کا ہجوم جمع ہو اور شاعر عوام کی بھیڑ کے درمیان کھڑے ہو کر اپنا کلام سنائے اور اس بھیڑ کے شورِ بے ہنگام سے خراج تحسین وصول کرے۔ اب البتہ مشاعرے کے مقابلے کوی سمیلن کا رواج بھی چل پڑا ہے لیکن جو مقبولیت مشاعرے کو ہے وہ شاید کوی سمیلن کو نہیں مل سکا ہے۔

آج مشاعرے کی روایت عام ہے وہ ماضی کے مشاعروں سے بہت مختلف ہے کیونکہ جو تہذیب و آداب مشاعرے کی شناخت ہوا کرتے تھے، اب وہ نئی تہذیب اور مشاعرہ باز شاعروں کے ہاتھوں مسمار ہو رہے ہیں۔ کیونکہ آج کے مشاعروں میں ادب کم اور فن کا مظاہرہ زیادہ ہو گیا ہے۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ہوڑ اور شہرت حاصل کرنے کی ہوس میں ابتذال، پھکڑ پن، سطحیت اور گ... بندی سے شعرا کام چلا رہے ہیں۔ ماضی کے مشاعروں کی خصوصیت تھی کہ مشاعرے عوام کے اندر ادب کا ذوق پیدا کرتے تھے، اور اب عوام کے مذاق اور ذہنیت کو سامنے رکھ کر کلام لکھے جاتے ہیں۔ گو... اب ہمارا معاشرہ مشاعرے کے مزاج کو طے کرتا ہے۔ اسی لیے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مشاعرے کے شاعر اول درجے کے ش... نہیں ہوتے حالانکہ جب ہم ماضی کی جانب نگاہ ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ان مشاعروں کو شعرا نے ہی شروع کیا۔ ان مشاعروں کے ذریعے نئے شعرا کی تربیت کی گئی اور مشاعروں نے نہ صرف انفرا... سطح پر یہ کام کیا بلکہ ان مشاعروں نے مختلف اسکول کے طور پر ادب کے نئے رجحان و رویے کو بھی طے کیا۔ اسی لیے لکھنو، دلی، کلکتہ حیدرآباد، رام پور اور عظیم آباد کے مشاعرے ان علاقوں میں ادب کی روشوں کو بتاتے تھے۔

ایک بڑا مشہور واقعہ یہ ہے کہ کچھ شوخ طبیعت کے لوگوں ... لکھنو اور دلی کے شعرا کو اکسانے کے لیے اور ان کی ذہنی ساخت کا ... بنانے کے لیے طرحی مشاعرے کی سوچی اور دلی اور لکھنو کے شعرا کے لیے الگ الگ طرح دی جو ان دو اسکولوں کی خصوصیت تھی۔

دلی والوں کے لیے یہ مصرعہ طرح دیا گیا:

اس لیے قبر میں رکھا گیا زنجیر کے ساتھ

اور لکھنو والوں کے لیے یہ مصرعہ طرح:

ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

اب اس پر جو گرہ لگائی گئی وہ دیکھیں:

دلی:

حشر میں حشر نہ برپا کریں یہ دیوانے
اس لیے قبر میں رکھا گیا زنجیر کے ساتھ

لکھنو:

ڈال دو سایہ اپنے آنچل کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

اور کسی قاری نے ایک قادر الکلام شاعر کو مذاقاً یہ طرح دی:

بیٹھا ہے تو بیٹھا کھڑا ہے تو کھڑا ہے

ظاہر ہے اس مصرعہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اس پر گرہ لگائی جائے، بظاہر یہ مہمل نظر آتا ہے مگر ایک قادر الکلام شاعر کی خوبی یہی ہے کہ مہمل کو انتہائی با معنی بنادے۔ یہ دراصل اس عہد کے ادبی ذوق کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ عوام الناس بھی کس قدر ادبی ذوق رکھتے تھے۔ اب دیکھیں کہ اس طرح پر کس انداز سے گرہ لگائی گئی۔

مجنوں کا یہ عالم ہے کہ پہروں پسِ دیوار
بیٹھا ہے تو بیٹھا کھڑا ہے تو کھڑا ہے

ان دلچسپیوں کے علاوہ اس وقت کے ادبی دبستانوں میں بھی چشمک تھی۔ دلی اور لکھنو کے حوالے سے آپ سب واقف ہیں۔ لیکن دبستان عظیم آباد کے حوالے سے ایک یادگار مشاعرے کی بات کریں تو یہ مشاعرہ بھی اسی چشمک کے سبب منعقد ہوا جو عظیم آباد کے اہم تاریخی مشاعروں میں سے ایک ہے۔ اس مشاعرے کی تحریک یہ تھی کہ کسی گمنام دہلوی نے سید بادشاہ نواب رضوی کی خدمت میں ایک خط بھیجا، خط کا متن یوں ہے:

جناب سید بادشاہ نواب صاحب! تسلیم

سنتا ہوں کہ آپ مشاعرہ کرنے کو ہیں۔ آپ لوگ پوربی ہوکر شعر کہنا کیا جانیں۔ استادوں کی غزل دیکھ کر تک میں تک ملا دیجیے گا۔ یہ اللہ نے لکھنو اور دہلی پر ختم کیا۔ بھلا آپ اور یہاں کے جو شاعر اچھے ہیں یہ طرح بھیجتا ہوں اس میں اگر موزوں کردیں تو میں اپنی ناک بدتا ہوں اور یوں تو واہیات بکنے کو سب موجود ہیں۔ (۲۵ راگست ۱۹۲۰ء)

(بحوالہ عظیم آباد کا ایک یادگار مشاعرہ۔ پروفیسر محمد یوسف خورشیدی)

اس خط میں چھ مصرع طرح دیے گئے تھے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ ہمراہ شب تار سردوش ہوئی دھوپ

۲۔ قد ناپتی ہے زلف رسا سر سے پاؤں تک

۳۔ موت کا پیغام ہے اپنے لیے تاخیر صبح

۴۔ پُرنور صورت رخ روشن ہے آفتاب

۵۔ تمہارے کوچے میں میری تربت برائے نام ونشاں رہے گی

۶۔ پر جھاڑتے ہیں مرغ سحر بولتے نہیں

اس خط کے لکھنے والے پر یقیناً شک وشبہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر ان کی فنکاری کے جوہر دیکھیں کہ باضابطہ مشاعرہ ہوا اور ان تمام طرحوں پر ایسے ایسے شعر کہے گئے کہ مصرع طرح بھی ماند پڑ گئے۔ یہاں وقت نہیں تفصیلات کا صرف ایک مصرع طرح کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

قد ناپتی ہے زلفِ رسا سر سے پاؤں تک

عام طور پر جس کی ردیف بڑی ہوتی ہے اس میں خیالات کو پیش کرنا محال ہوتا ہے۔ مگر عظیم آباد کے شاعروں کا کمال دیکھیں۔

سن کر مرا فسانہ غم، بولے کہ جھوٹ ہے
پوچھا کہاں غلط ہے، کہا سر سے پاؤں تک

کلیم فہیم الدین احمد فہیم

بولے جو آئی زلف رسا سر سے پاؤں تک
پیچھے لگی یہ کیسی بلا سر سے پاؤں تک

سید احتشام الدین حیدر مشرقی منیری

زاہد کو حسرتوں سے نہ آزاد جانیے
ہے مبتلائے حرص وہوا سر سے پاؤں تک

امداد امام اثر

اور ایک خوب صورت گرہ دیکھیں جو میاں ولایت نے لگائی تھی

کام آئی کچھ نہ پردہ نشینی حضور کی
دیکھ آئی جاکے بادِ صبا سر سے پاؤں تک
پابوسیٔ حنائے کفِ پا کے شوق میں
آئی ہے ان کی زلف رسا سر سے پاؤں تک

شوق نیموی

شاید صبا سُنا گئی افسانۂ خزاں
یہ نخلِ باغ کانپ گیا سر سے پاؤں تک

شاد عظیم آبادی

اسی طرح ایک اور مصرع کی بات کریں کہ جو کلکتہ کے ایک مشاعرے کے حوالے سے ہے۔ اس میں داغ دہلوی کی غزل کے مطلع کے پہلے مصرعے کو طرح کے طور پر رکھا گیا۔ یہ شعر اس طرح ہے:

بھنویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

اس پر شمس کلکتوی نے یہ گرہ لگائی:

بھنویں تنتی ہیں، خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
مری بگڑی ہوئی تقدیر گویا بن کے بیٹھے ہیں

اس گرہ نے ایسا کمال دیکھایا کہ مشاعرہ اسی غزل پہ ختم ہوا۔ اس غزل کا مقطع یہ تھا:

اگر اللہ نے چاہا تو اس کافر کو شمس اک دن
مسلماں کر کے اٹھیں گے، برہمن بن کے بیٹھے ہیں

ان تفصیلات سے یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ مشاعرے نہ صرف عوامی ادارے تھے بلکہ ان مشاعروں نے اصلاح سخن کی بھی ایک عظیم روایت قائم کی جس سے شعر فہمی اور شعر گوئی کو رواج ملا۔ لیکن جیسے جیسے یہ روایت آگے بڑھتی گئی اس میں یہ تسابق اور تقابل کے جذبات تحقیر و تذلیل میں تبدیل ہوتے گئے اور آج اس کی جو شکل ہے وہ سب جانتے ہیں۔ لیکن ہر روایت جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے اس میں کچھ مفید اور خوشگوار تبدیلیاں بھی آتی ہیں اور کچھ غیر ضروری عناصر بھی در آتے ہیں۔

آج مشاعرے کی روایت بہت آگے بڑھ چکی ہے اور اب اس کے کئی مختلف اقسام ہیں مثلاً ریڈیو مشاعرے، ٹیلی ویژن مشاعرے، یادگاری مشاعرے، ملکی اور بین الاقوامی مشاعرے، یہ سب کے سب ادب اور شاعری کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مشاعروں سے ایک سماجی فائدہ یہ بھی ہو رہا ہے کہ ہماری مشترکہ تہذیب کی وہ روایت کہ ایک دوسرے کی تقریبات میں شرکت کیا کرتے تھے لیکن اب وہ سیاست کی فرقہ وارانہ ذہنیت کے سبب تقریباً ختم ہوتی جارہی ہے، اسے ان مشاعروں نے زندہ رکھا ہے، یہ مشاعرے اب ان سماجی روابط کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

ایسی صورت میں اب صرف مشاعرہ ہی ایسی تقریب رہ گئی ہے جس میں ہم یکجا ہو کر ایک دوسرے کے سماجی اور تہذیبی اثرات قبول کریں۔ اس لیے جہاں تک ہندستانی قومیت کے مفاد کا تعلق ہے اور جہاں تک اردو کے بین الاقوامی مزاج کی بحالی کا سوال، یہ مشاعرے بلاشبہ ایک عظیم قومی اور لسانی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

□□□

مولانا منظر الاسلام ازہری☆

"اثر ابن عباس" پر محدثانہ نظر

تیرھویں صدی ہجری کا نصف اخیر اور چودھویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ سیاسی کشمکش کے ساتھ ساتھ مذہبی انتشار کا بھی زمانہ رہا ہے- سیاست کے ساتھ ساتھ مذہب کو بھی بازیچہ اطفال بنانے کی کوشش کی گئی - حدیث شریف کے مطابق اہل حق کی جماعت نے مذہب کے خلاف اٹھنے والی آوازوں اور دین کے خلاف چلنے والے قلموں کو مروڑ کر رکھ دیا- گروہی فتنہ پھیلانے کی کوشش کی گئی ٹکرانے کے سازوسامان بھی کئے گئے- اسی زمانہ کی بات ہے کہ دیوبند کے ایک معروف عالم دین جناب قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس من اثر ابن عباس" کتاب لکھی- اس کتاب میں اثر ابن عباس کی اسنادی حیثیت کا اعتبار کرکے عقلی دلائل کی روشنی میں زمین کے دیگر طبقات میں انبیاء کرام کے وجود کو نہ یہ کہ تسلیم کیا گیا بلکہ نبی اکرم ﷺ کے خاتم نبوت ہونے کا انکار بھی اس سے متبادر ہے- علماء کرام کی ایک جماعت نے اسی زمانہ میں کتاب کا وافی وشافی رد بھی کیا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے- نانوتوی صاحب نے اثر ابن عباس کی حدیثی حیثیت پر بحث کئے بغیر اس کی صحت کو ماننے اور منوانے کے لئے عقلی دلائل دیئے تھے اس لئے جن علماء نے رد کیا انہوں نے بھی منطقی دلائل وبراہین سے رد بلیغ کیا- پھر منطقی دلائل کی تائید میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار صحابہ، اقوال علماء سے بھی استناد کیا- میری معلومات کی حد تک کسی نے اس "اثر" کی سند اور متن سے متعلق کوئی خاص گفتگو نہیں کی- کسی نے مختصر اور بالاجمال گفتگو کی بھی تو صرف اس حد تک کہ اس کی صحت کو تسلیم کیا اور آگے بڑھ گئے- علم حدیث کا ادنی طالب علم ہونے کی حیثیت سے ہر وقت میری نگاہ میں یہ بات رہتی تھی کہ "اثر ابن عباس" کو محدثین کے وضع کردہ میزان پر ضرور پرکھنا چاہیے- اللہ تعالی کے فضل وکرم اور نبی اکرم ﷺ کی عنایت سے مجھ پر اس حدیث کا ضعف محدثین کے اصول کی روشنی میں واضح ہوگیا- پھر یہ سوچ کر کہ جب بنیاد ہی ختم ہو جائے تو پھر عمارت کی تعمیر کیسے کی جائے گی، میں نے اس پر سیر حاصل محدثانہ بحث شروع کردی- میں اپنی بحث کے ایک حصہ کا خلاصہ قارئین کی نظر کرتا ہوں- واضح رہے کہ میری بحث منطقی دلائل سے بالکل پاک رہے گی کیونکہ علامہ فضل حق خیرآبادی سے لے کر اب تک اس پر اتنی منطقی بحث کی گئی ہے جس میں اب لب کشائی کی کوئی گنجائش نہیں- پہلے حدیث کا متن مع ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

امام حاکم فرماتے ہیں:

أخبرنا أحمد بن يعقوب الثقفي، حدثنا عبيد بن غنام النخعي، أنبانا علي بن حكيم، حدثنا شريک عن عطاء بن السائب، عن أبي الضحى، عن ابن عباس (رضی الله تعالى عنهم) أنه قال: الله الذى خلق سبع سماوات ومن في الأرض مثلهن قال: سبع أرضين. في كل أرض نبي كنبيكم، وأدم كادم، ونوح كنوح، وابراهيم كابراهيم، وعيسى كعيسى. (١)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے سات آسمان پیدا فرمایا جو زمین میں انہیں کے مثل ہیں- فرمایا: سات زمین کی تخلیق کی- ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہیں- آدم کی طرح آدم ہیں، نوح کی طرح نوح ہیں، ابراہیم کی طرح ابراہیم ہیں، اور عیسی کی طرح عیسی ہیں-

امام حاکم کے علاوہ امام طبری، امام ابن کثیر، امام قرطبی، امام اسماعیل حقی، امام سیوطی، امام بیہقی، امام سخاوی، امام ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام عجلونی، (٢) وغیرہ نے بھی اپنی اپنی تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت، اور فتاوی میں "اثر ابن عباس" کی تخریج کی ہے- کسی نے روایت کا مفصل متن ذکر کیا ہے کسی نے اختصار سے کام لیا ہے تاہم سند تمام علماء کے نزدیک ایک ہی ہے- جن ائمہ نے مطلقا یا بالتقیید اس پر صحت کا حکم لگایا ہے ان میں امام حاکم، امام بیہقی اور امام ابن حجر عسقلانی کا نام نمایاں ہے- جن محدثین نے اس پر کلام کیا ان میں علامہ ابن کثیر، امام قسطلانی، امام ابن حجر ہیتمی اور امام سیوطی سر فہرست ہیں- جبکہ امام ذہبی کے اقوال مختلف ہیں- ذیل میں ہر ایک کی عبارت

☆2000 W Market Centre Dr High Point, N.Carolina(U.S.A) E-mail:manzarulislam@yahoo.com

بالتفصیل ملاحظہ کیجیے:

امام حاکم نے حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه. اس حدیث کی سند صحیح ہے امام بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔ اس کے بعد ہی امام حاکم نے اسی سند سے مختصرا اس روایت کا ذکر کر کے فرمایا: هذا حديث صحيح علي شرط الشيخين ولم يخرجاه. (۳) یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

امام بیہقی نے مختصر اور مطول دونوں ہی سند ذکر کر کے فرمایا:

اسناد هذا عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما صحيح، وهو شاذ بمرة، لا أعلم لأبى الضحى عليه متابعا، والله أعلم. (۴)

ابن عباس سے مروی سند صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طرح سے شاذ بھی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ابوضحیٰ کی کسی نے متابعت بھی کی ہے۔

علامہ ابن حجر نے زمین کے طبقات سے متعلق علماء و محدثین کے اقوال کے ضمن میں ابن جریر کے حوالہ سے دلیل دیتے ہوئے اس اثر کا ذکر کر کے فرمایا: أخرجه مختصرا و اسناده صحيح. وأخرجه الحاكم والبيهقى من طريق عطاء بن السائب عن أبى الضحى مطولا- قال البيهقى اسناده صحيح الا أنه شاذ بمرة. (۵)

اس اثر کی تخریج ابن جریر نے مختصرا کی ہے، اس کی سند صحیح ہے۔ حاکم اور بیہقی نے بطریق عطاء ابن سائب، اوضحیٰ اس کی تخریج مطولا کی۔ بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح تو ہے مگر ایک طرح شاذ ہے۔

بدر شبلی نے اپنے شیخ ذہبی کے حوالہ سے اس کی تحسین نقل کی ہے (۶) امام سیوطی نے "در منثور" میں اس روایت کو نقل کر کے امام بیہقی کے کلام پر اکتفا کیا ہے مگر اپنی گرانقدر تالیف "الحاوی للفتاوی" میں حاکم اور بیہقی کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا:

وهذا الكلام من البيهقى فى غاية الحسن فانه لايلزم من صحة الاسناد صحة المتن كما تقرر فى علوم الحديث لاحتمال أن يصح الاسناد ويكون فى المتن شذوذ او علة تمنع صحته و اذا تبين ضعف الحديث أغنى ذلك عن تأويله لأن مثل هذا المقام لا تقبل فيه الأحاديث الضعيفة (۷)

بیہقی نے حدیث پر صحت کے ساتھ ساتھ شاذ ہونے کا جو حکم لگایا ہے وہ بہت اچھا ہے کیونکہ علوم حدیث کے مطابق سند کا صحیح ہونا متن کی صحت کو لازم نہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ سند صحیح ہو مگر متن میں شذوذ یا ایسی علت ہو جس کی بنیاد پر صحت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ جب اس حدیث کا ضعف ثابت ہوگیا تو اب اس میں تاویل کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ ان جیسی جگہوں میں ضعیف حدیثیں قابل قبول نہیں۔

یہاں تو علامہ سیوطی نے بیہقی کے کلام کو سراہا اور حاکم سے کچھ تعرض بھی نہ کیا مگر "تدریب الراوی" میں جہاں انہوں نے حدیث شاذ پر گفتگو کیا ہے، اس کے ضمن میں حاکم کی تصحیح پر حیرانگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ولم أزل أتعجب من تصحيح الحاكم من تصحيح الحاكم له حتى رأيت البيهقى قال: ولكنه شاذ بمرة (۸)

حاکم کی تصحیح پر مجھے تعجب ہوتا رہا حتی کہ مجھے بیہقی کا قول مل گیا کہ یہ اثر شاذ ہے۔ ٹھیک اسی طرح علامہ قسطلانی نے بھی لکھا ہے۔ رقمطراز ہیں:

فيه انه لا يلزم من صحة الاسناد صحة المتن ك[illegible] هو معروف عند أهل هذا الشان، فقد يصح الاسناد ويكو[illegible] فى المتن شذوذا أو علة تقدح فى صحته ومثل هذ[illegible] يثبت بالحديث الضعيف. (۹)

محدثین کے نزدیک معروف ہے کہ سند کا صحیح ہونا متن کے [illegible] ہونے کو لازم نہیں۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ کبھی سند صحیح ہو اور متن میں [illegible] ایسی علت جس سے حدیث کی صحت مخدوش ہوتی ہو، اس طر[illegible] مسائل حدیث ضعیف سے ثابت بھی نہیں ہوتے۔

علامہ ابن حیان اندلسی نے اپنی تفسیر میں اس کے ایک [illegible] سند کی طرف اشارہ کیا ہے اور موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

وعن ابن عباس من رواية الواقدى الكذاب [illegible] فى كل أرض... وهذا حديث لا شك فى وضعه (۱۰)

ابن عباس کی روایت واقدی کذاب کے حوالہ سے [illegible] حدیث کے موضوع ہونے میں کچھ شک نہیں۔

حافظ ابن کثیر "البدایۃ" میں اس اثر کا ذکر کیا پھر فرمایا:

هذا ذكره ابن جرير مختصرا، واستقصاه البيهقي في الأسماء والصفات، وهو محمول ان صح نقله عنه على أنه أخذه ابن عباس رضى الله تعالى عنهما عن الاسرائيليات. (۱۱)

ابن جریر نے اس روایت کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے الاسماء والصفات میں اس معنی کی تمام روایتوں کا استقصا کیا ہے، اگر اس کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو کہا جائے گا کہ ابن عباس کا ماخذ اس سلسلہ میں اسرائیلیات ہے۔

علامہ سخاوی نے ابن کثیر کے اس کلام کو نقل کر کے فرمایا:

وذلک وأمثاله اذالم يخبر به ويصح سنده الى معصوم فهو مردود على قائله (۱۲)

یہ اور اس طرح کی دوسری روایتیں جس کی خبر نہیں دی گئی اور سند معصوم ﷺ تک صحیح ہو تو اس قائل پر رد کر دی جائیگی۔

سورہ طلاق کی تفسیر کے ضمن میں علامہ اسماعیل حقی نے بھی سخاوی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ "صاحب انسان العیون" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

قد جاء عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما فى قوله تعالى "ومن فى الأرض مثلهن" قال سبع أرضين.. قال البيهقي اسناده صحيح ولكنه شاذ بمرة أى لأنه لا يلزم من صحة الاسناد صحة المتن، فقد يكون فيه مع صحة اسناده مايمنع صحته فهو ضعيف (۱۳)

ائمہ کلام کے اقوال کے تناظر میں ہم نے دیکھا کہ ایک جماعت اس کے صحت کی قائل ہے جبکہ دوسری جماعت اس پر ضعف، اسرائیلی بلکہ موضوع ہونے کا حکم لگاتی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے ضعف کا قول کیا ہے ان سب کا ماخذ امام بیہقی کا قول یعنی "شاذ" ہے۔ اس لئے پہلے حدیث شاذ کو سمجھنا ضروری ہے۔ حدیث شاذ کی تعریف میں اہل اصول محدثین کی رائے مختلف نظر آتی ہے۔ امام شافعی اور اہل حجاز کی ایک جماعت نے "شاذ" کی تعریف اس طرح کیا ہے:

اگر ثقہ دوسرے رواۃ کی مخالفت کرے تو وہ شاذ ہے۔ "شاذ" کی تعریف یہ نہیں کہ وہ ایسی روایت کرے جو اس کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کی ہو۔ (۱۴)

علامہ حاکم نے حدیث شاذ کی تعریف اس طرح کی ہے:

جس حدیث میں کوئی ثقہ راوی اکیلا رہ گیا ہو اور اس کی کوئی متابعت بھی نہ ہو۔ (۱۵)

امام خلیل بن عبد اللہ خلیلی (م ۴۴۶ھ) نے امام شافعی کی تعریف ذکر کرنے کے بعد اپنی ایک راجح تعریف ذکر کی ہے جو حاکم کی تعریف سے بہت قریب ہے بلکہ دونوں کی تعریف میں عام اور خاص کی نسبت ہے۔ (۱۶)

اہل اصول کے کلام کا خلاصہ میں نے حدیث شاذ سے متعلق ذکر کیا ہے۔ ان تمام تعریف میں سے ہر ایک پر کچھ نہ کچھ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ امام سیوطی نے قول فیصل نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: شاذ ایسی حدیث ہے جس کو کسی مقبول راوی نے اپنے سے برتر کے مخالف روایت کیا اگر مخالف روایت کرنے والا راوی متفرد ہے اور اس کا عادل وضابط ہونا بھی مسلم ہے تو اس کا تفرد صحیح مان لیا جائے گا۔ اور اگر اس کے عدل، حفظ، ضبط اور ثقاہت میں کمی ہوگی تو اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔ ملخصا (۱۷)

حدیث شاذ اگر صحت کی شرط پر پوری نہ اترے تو ضعیف اور مردود ہوگی، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن حجر فتح الباری میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

..محل طريق الجمع اذا تساوت الروايات فى القوة أما مع التفرد فى مقابلة الاجتماع فتكون الرواية المنفردة شاذة، والشاذ مردود. (۱۸)

اس تفصیل کی روشنی اتنا واضح ہو گیا کہ "اثر ابن عباس" سند اگرچہ صحیح ہے مگر متن کے اعتبار سے شاذ ہے، اور حدیث شاذ کی اگر متابعت نہ ہو تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ علامہ بیہقی نے اس کا استیعاب کرنے کے بعد ہی کہا کہ اس کی کوئی متابعت نہیں ہے۔ لہٰذا اثر ابن عباس کے مردود ہونے میں بھی کچھ شک نہیں۔

جہاں تک سند کا سوال ہے تو اس کی بھی صحت بندہ ناچیز کے نزدیک مسلم نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عطاء ابن سائب ہیں جن کے بارے میں علماء جرح وتعدیل کی رائے مختلف ہے۔ عطاء اپنی آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ جن لوگوں نے اختلاط سے قبل ان سے روایت کی ان کی روایت مقبول ہے اور جنہوں نے بعد اختلاط روایت کیا ان کی روایت مردود ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا ان کے اختلاط کی

وجہ سے محدثین نے ان پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔

الحاصل ''اثر ابن عباس'' سند اور متن دونوں ہی اعتبار سے ضعیف ہے اور اگر اس کی صحت تسلیم بھی کرلی جائے تو اس کا مصدر اسرائیلیات کو ماننا پڑے گا۔لہذا اس اثر کی بنیاد پر زمین کے دیگر طبقات میں انبیا کرام کا وجود ماننا خیال فاسد ہے اور اس پر طومار بیانی تضیع اوقات۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جناب نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب کا نام ''تحذیر الناس من اثر ابن عباس'' رکھا مگر پوری کتاب میں کہیں بھی حدیث کی سند یا متن پر کوئی واضح بحث نہیں کی۔عنقریب اس موضوع پر راقم کا رسالہ ''تنبیہ الناس من انکار اثر ابن عباس'' ملاحظہ کیجئے۔جس میں مکمل علم حدیث کی ہی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔

مصادر و مراجع:

(۱)المستدرک للحاکم ۲/ ۵۳۵، حدیث ۳۸۲۲،۳۸۲۳، دار الکتب العلمیة ،بیروت.

(۲)تفسیر ابن جریر ،سورہ طلاق، ایة نمبر ۱۲ .البدایه والنهایة ۱/ ۱۴۳، بیروت.
تفسیر قرطبی،سورہ طلاق، آیة ۱۲، بیروت. تفسیر روح البیان، سورہ طلاق، آیة ۱۲ .تفسیر در منثور، سورہ طلاق آیة ۱۲، بیروت. مقاصد الحسنة ص ۴۹ ،حدیث ۹۱ ،بیروت.فتح الباری۶/ ۲۹۳، دار المعرفة ،بیروت. کشف الخفاء و مزیل الالباس،حدیث نمبر ۳۱۶ ،بیروت. المنتظم فی تاریخ الامم ۱/ ۱۷۲ ،بیروت.

(۳)المستدرک للحاکم ۲/ ۵۳۵، حدیث ۳۸۲۲،۳۸۲۳، دار الکتب العلمیة ،بیروت.

(۴)الاسماء والصفات ۲/ ۱۳۱، ۱۳۲ ،باب بدء الخلق، دار الکتاب العربی ،بیروت.

(۵)بیروت.فتح الباری۶/ ۲۹۳، دار المعرفة ،بیروت.

(۶) آکام المرجان فی أحکام الجان.

(۷)الحاوی للفتاوی ۲/ کتاب الأدب والرقائق، قطف الثمر فی موافقات عمر

(۸)تدریب الراوی. النوع الثالث عشر الشاذ، ۱/ ۲۳۳ ،بیروت

(۹)شرح البخاری للقسطلانی

(۱۰)البحر المحیط،سورہ طلاق، زیر آیة ۱۲

(۱۱) البدایة والنهایة ۱/ ۲۱ ،فصل فیما ورد فی صفة کلق العرش والکرسی، ماجاء فی سبع أرضین.

(۱۲)المقاصد الحسنةص ۵۰ .رقم ۹۱

(۱۳)تفسیر روح البیان، سورہ طلاق، آیت ۱۲ .

(۱۴) تدریب الراوی ۱/ ۲۳۲ ،النوع الثالث عشر الشاذ.

(۱۵)معرفة علوم الحدیث ۱/ ۱۱۹ ،النوع الثامن والعشرین من علوم الحدیث ..بیروت

(۱۶) الارشاد ۱/ ۱۷۶ ،مکتبه الرشید، ریاض.

(۱۷) تدریب الراوی ۱/ ۲۳۲ ،النوع الثالث عشر الشاذ.

(۱۸)فتح ۹/ ۴۰۷ دار المعرفة ،بیروت.

□□□

بقیہ: شرعی عدالت

جب کہ امام کے لیے اس کا صحیح القراۃ ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کی اس امام سے برگشتگی اس کی وجہ سے بھی اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ولو أمّ قوما وهم له کارهون إن الکراهة لفساد فيه أو لانهم احق بالامامة منه کره له ذلک تحریما. (ج:۲،ص:۲۹۷) سوال میں مذکور تفصیلات کی روشنی میں امام کا اپنی امامت پر مصر رہنا اور مصلی کو اپنی گرفت میں رکھنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مسجد کا انتظام و انصرام ایسے فرد یا افراد کے ہاتھ میں ہونا لازم ہے جو مسجد کا بہی خواہ اور قیام مسجد کے شرعی مقاصد سے کما حقہ واقف ہوں۔ جو لوگ مسجد کے بنیادی مقصد سے بھی ناواقف اور ترک جماعت کی اجازت دیں۔ ایسے لوگوں کا مسجد کی انتظامیہ میں رہنا جائز نہیں۔ وہاں کے مسلمان ایسے لوگوں کو معزول کر کے بہتر انتظامیہ کمیٹی تشکیل دیں۔ درمختار میں ہے وینزع وجوبا بزازیه ولو الواقف در رفغیره بالأولی لو غیر مامون واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) دو عہدوں کا اجیر ہونا شرعی جرم نہیں ہے، شرعی جرم یہ ہے کہ دونوں عہدوں پر برقرار رہنے کی وجہ سے مذکورہ امام فرائض منصبی ادا نہ کرتا ہو۔ اگر بغیر اپنی ذمہ داریاں ادا کیے ہوئے معروف رخصت کے علاوہ اجرت لیتا ہے تو گنہ گار ہے اور اتنی اجرت کا مسجد کا واپس دینا واجب۔ آپ نے سرکاری ملازمت لکھا ہے، لفظ سرکاری لکھنے سے احتراز کیجیے اس کی جگہ گورنمنٹی استعمال کیا کیجیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

□□□

ڈائری

"عقل کے مدرسے سے اٹھ عشق کے میکدے میں آیا"

اول نظر میں یقین نہیں آتا کہ یہ اس مفکر کے الفاظ ہوں جس کی نظیر پچھلی کئی صدیوں میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، اگر کوئی کور مغز عقل کے مدرسے کو خیر باد کہتا ہے تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں، کیوں کہ اس مدرسے کے اسباق اس کے سر سے گزرنے والے ہیں، وہ قوت فکر سے محروم اور دولت عقل سے نابلد ہے، لیکن وہ شخص جو شاہینی فکر کا حامل ہو، جس کے پرواز تخیل سے انجم خائف ہوں اور جس کی سوچ ستاروں سے اوپر کی دنیا تک پہنچ گئی ہو، اگر وہ عقل کے مدرسے کو چھوڑنے اور میکدۂ عشق میں حاضر ہونے کی دعوت دیتا ہے تو حیرت بھی ہے اور ہم جیسے پست ذہنوں کے لیے دعوت فکر بھی- کیوں کہ اگر مفلس کو پیوند بھلا معلوم ہو، خانہ بدوش کو بس اڈے اور ریلوے اسٹیشن پر نیند آئے، حبشی کو سیاہ فام عورت حسین نظر آئے، اندھے کو بجلی آنے یا جانے کی کوئی فکر نہ ہو اور گنجے کو کنگھی سے وحشت ہو تو اس میں حیرت کیا ہے لیکن اگر کوئی سلطان صوف زیب تن کرلے، رئیس شہر صحرا نوردی اختیار کرلے، ایک شہزادہ سیاہ فام عورت کو محبت سے دیکھے، کوئی صاحب بصارت وبصیرت روشنی سے بھاگنے کی کوشش کرے اور زلف خم دار کا مالک پراگندہ بال پھرے تو حیرت بھی ہے اور لمحہ فکریہ بھی-

اقبال زبردست فکر و دانش کے مالک تھے، وہ کالج کے پروردہ تھے، دانش کدۂ فرنگ کی روشنی سے اپنی عقل کو چمکایا تھا، اگر ان کی زندگی اور خدمات کو ایک لفظ سے تعبیر کریں تو وہ "فکر" کے علاوہ کوئی اور لفظ نہیں ہوسکتا- لیکن باوجود اس کے جب انہوں نے دماغ کی رگیں نچوڑ دیں، فکر کے گھوڑے کو تھکا دیا اور تخیل کے دوش پر ستاروں سے آگے بڑھ گئے تو میکدۂ عشق میں قدم رنجہ ہوگئے اور خانۂ دل کو عقل کی پاسبانی سے آزاد کر کے عشق کے تخت امتحان میں بیٹھ گئے، آخر ایسا کیوں؟

امام علم وفن مولانا روم مدرسۃ العلوم میں استاذ تھے اور علم وفن کا دریا بہا رہے تھے، لیکن اچانک اسے خیر باد کہہ دیا اور ایک مست جام الست شیخ شمس تبریزی کی جلوہ گاہ معارف میں حاضر ہوگئے اور کل تک جو ایک "مولوی" تھے وہ اب "مولائے روم" بن گئے، بعد رحلت عرب وعجم کے مولا ہوگئے اور اب اس اکیسویں صدی میں جسے سائنس اور ٹکنالوجی کے شباب کا عہد سمجھا جارہا ہے وہ اس پورے عہد کے مولا بنتے جارہے ہیں، اس "غلام تبریزی" کے سامنے کل تک مشرق جھکا ہوا تھا آج پورا مغرب اس کا غلام بنتا جارہا ہے، آخر راز کیا ہے؟

یہ بات بھی ذہن نشیں رکھنے کی ہے کہ عشق وعقل کی جنگ بہت قدیم ہے اور جتنی قدیم ہے اتنی ہی دل آویز بھی اور یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ عقل آلۂ تمیز ہے لیکن عقل کے پرستار ہمیشہ حیرانی میں مبتلا رہتے ہیں اور عشق راہ تسلیم ہے لیکن جادۂ عشق کے مسافر ہمیشہ جوہر عرفان حق سے مالا مال رہتے ہیں، عقل روشنی کی مدعی ہے لیکن عقلیت زدہ تاریک وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، عشق آنکھیں بند کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے لیکن عشاق کا باطن اتنا روشن ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ بصیرت کا سفر اس مقام سے شروع ہوتا ہے جس مقام پر نور بصارت کی انتہا ہوجاتی ہے، عشق وعقل میں تفضیل کی بحثیں بھی اٹھی ہیں اور اس پر معرکے بھی گرم ہوئے ہیں، ہمیں ان مناظروں سے کوئی واسطہ نہیں، اس بندۂ ہیچ مداں نے جو کچھ سمجھا وہ فقط یہ ہے کہ عشق عقل کے اضافی وصف یا ارتقائی شکل کا نام ہے، جب عقل پختہ ہوجاتی ہے تو عشق کی صورت اختیار کرلیتی ہے- اس لیے عشق وعقل کی جنگ حقیقی معنوں میں کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، اقبال یا رومی یا ان کی طرح دوسرے صدہا ہزار اہل دانش وبینش نے عقل کے مدرسے کو چھوڑ کر عشق کے میکدے میں آنے کی جو بات کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے "عقل" جیسی دولت گراں مایہ کو ترک کردیا، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ عقل کے مرحلہ تشکیک سے مرحلہ یقین کی طرف منتقل ہوگئے، حیرانیت سے ایمانیت کی طرف آگئے اور ان کی عقل مکمل ہوکر عشق میں تبدیل ہوگئی-

اقبال نے یہ بھی کہا کہ دل کے ساتھ پاسبان عقل کا ہونا لازم ہے لیکن اسے کبھی کبھی تنہا بھی چھوڑ دینا چاہیے، یہ "کبھی کبھی" کا وقت کیا ہے؟ کبھی کبھی دل کو پاسبان عقل سے آزاد کرنے کی دعوت ہرگز" بے

عقلیت'' کی دعوت نہیں، میرا وجدان بولتا ہے کہ عقل حُر کی چیز ہے، وہ ہمہ دم تلاش وجستجو میں مصروف رہتی ہے، یہ بڑی اچھی بات ہے، لیکن یہ بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ جس چیز کی جستجو ہو اس کے مل جانے کے بعد اسے مضبوطی سے تھام لینے کی بجائے حرکت وحیرانی میں مبتلا رہ کر اسے گم کر دیا جائے، اقبال کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ عقل صیاد ہے اور عشق اس کا جال، جب صیاد کی کوششوں سے شکار جال میں آجائے تو اسے وہیں رکھ چھوڑا جائے، پھر شکار کو آزاد کر کے اس کے پیچھے صیاد کو دوڑانا سوائے حماقت کے اور کیا ہے؟ خدا پر ایمان، نبوت و رسالت کا یقین، یہ ساری باتیں عقل کی جستجو سے ملتی ہیں، لیکن جب عقل نے نبوت ورسالت کا فیصلہ کر دیا، دل نے شہادت دے دی اور زبان نے اعلان کر دیا، اب اس کے بعد بھی پیغمبر کی باتوں میں بے یقینی، ان کے ارشادات کو عقل کے ترازو پر تولنے کی کوشش، عقلیت کی بجائے اس لیے بے عقلیت ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے اب تک رسالت و نبوت کا ہی یقین نہیں، اس کی عقل ابھی پہلی منزل میں ہی اٹکی پڑی ہے، پہلی منزل کی سیر کیے بغیر دوسری منزل تک پہنچنے کی کوشش عقلیت نہیں بے عقلیت ہے، عقلیت یہ ہے کہ جب پورے غور وفکر کے بعد نبوت و رسالت کا یقین ہو گیا، جس کے واضح معنی یہ ہیں کہ پیغمبر کا رشتہ خدا سے ہے، پیغمبر جو کچھ کہیں گے خدا کی مرضی اس میں شامل ہوگی اور حقائق کا علم خدا کو حتمی اور یقینی ہے، تو اب پیغمبر کی ہر بات آنکھ بند کر کے مانی جائے اور عقلی تشکیک سے اپنے آپ کو برباد نہ کیا جائے، یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے، اس کے بجائے ہر بات میں شبہات میں الجھے رہنا سخت حماقت ہے، جو ایمان بالرسالت کے فقدان کی دلیل ہے۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے مشہور رسالے ''مرج البحرین'' کی پانچویں فصل کی ذیل میں حقیقت عقل پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''حاصل یہ کہ عقل ایک نعمت ہے جس کا شکر ادا کیا جانا چاہیے اور نعمت عقل کا شکر یہ ہے کہ بغیر کسی تردد اور پس وپیش کے اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور ان کے احکام کی پیروی میں لگا دیا جائے کہ فرمانے رسول کے خلاف دم زدن کی ہمت نہ رہے تاکہ ایمان کی سعادت سے محرومی نہ ہو۔ یہ کیسی بد نصیبی اور بدبختی ہے کہ کسی کے سامنے خوان نعمت سجا دیا جائے اور وہ اس کے تعلق سے شک وشبہ میں پڑ کر بحث وجدال شروع کر دے کہ اس کھانے کی حقیقت کیا ہے؟ اسے کس نے کہاں سے لایا؟ اس سے سیری ہوگی یا نہیں؟ اس کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ وہ ایسے ہی بیہودہ خیالات میں الجھا رہے اور دوسرے آکر اس کھانے کو چٹ کر جائیں۔ اس طرح دوسرے محظوظ ہوں اور وہ خود محروم رہ جائے۔''

(مطبوعہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اکاڈمی، کوچہ چیلان، نئی دہلی، ص:۴۸)

اس بات کی وضاحت امام فخر الدین رازی کے اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ وقت نزاع شیطان حاضر ہوا اور خدا کی شان وحدانیت پر دلیل مانگ بیٹھا، انہوں نے دلیل دی اور شیطان نے اسے رد کر ڈالا پھر دوسری دلیل دی اور شیطان نے اسے بھی کاٹ دیا، کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ دنیا کو ایمان کی دولتیں بانٹنے والا دنیا سے بے ایمانی کی حالت میں کوچ کر جاتا کہ ان کے شیخ نجم الدین کبریٰ نے کہیں دور سے آواز دی اور کہا کہ بحث کیوں کرتے ہو، کہہ دو کہ میں بلا دلیل مانتا ہوں کہ خدا ایک ہے، اس طرح شیطان نامراد واپس ہوا۔ اس پورے واقعے سے بتانا یہ ہے کہ امام رازی کے شیخ نے انہیں بے عقلی کی دعوت نہیں دی بلکہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ جس چیز کا یقین حاصل ہے اس کو مانا جائے اور بے جا بحث کر کے وقت اور ایمان کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی بحث کی طوالت ختم کرنے کے لیے اگر یہ کہے کہ میں بلا دلیل کہتا ہوں کہ میں انسان ہوں، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پاگل ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی عقل حتمی طور پر فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ انسان ہے، اسے اس مسئلہ میں کوئی تذبذب یا شبہ نہیں ہے۔

عشق اور عقل کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے، عقل بادشاہت ہے اور عشق جوہریت، یہ دونوں ایسے وصف ہیں جو باہم جمع بھی ہو سکتے ہیں اور نہیں بھی ہو سکتے ہیں، بادشاہ کے پاس ہیرے کے ساتھ دوسرے پتھر بلکہ خس وخاشاک بھی ہوتے ہیں لیکن جوہری کو صرف ہیرے سے غرض ہوتی ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ بادشاہ ہر چیز کا مالک ہو لیکن اسے ہیرے کی شناخت نہ ہو، وہ ہیرا پاس رکھ کر بھی ہیرے کی تلاش میں ہو، لیکن ایسا معاملہ جوہری کے ساتھ نہیں ہو سکتا، اسے ہیرے کی مکمل شناخت ہے، وہ اسے پاتے ہی مٹھی میں بھر لے گا اور شادکام ہو جائے گا، یہی معاملہ اہل عشق اور اہل عقل کا ہے، اہل عشق کو حقیقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے، وہ حقیقت کو پاتے ہی مگن ہو جاتے ہیں مگر اہل عقل جو دولت عشق سے محروم ہوں، اپنے پاس سب کچھ رکھتے

ہوئے بھی حقیقت سے بے خبر اور حیران و پریشان ہوتے ہیں، اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ایمان کے لیے بہت زیادہ علم کی ضرورت نہیں، اگر صرف حقیقت کا ادراک حاصل ہو جائے تو دنیا کی دوسری تمام چیزوں سے بے خبر ہوتے ہوئے بھی دولت ایمان سے سرفرازی ہو سکتی ہے اور تمام علوم و فنون سے واقفیت کے باوجود اگر نگاہ حق شناس نہ ملی جو جوہر شناسی کے لیے ضروری ہے تو حق کا علم منطقی ہونے کے باوجود بھی حق سے دوری ہی رہے گی۔ ہمیں خدا سے ثروت شاہی بھی مانگنی چاہیے اور نگاہ جوہری ملنے کی بھی دعا کرنی چاہیے۔

یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ عشق جہالت نہیں ہے اور عقل لاادریت نہیں ہے، کچھ لوگ اپنے جہل کو عشق سمجھتے ہیں اور کچھ بے یقینی کو عقل سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر بے یقینی عقل ہے تو پھر بے عقلی کیا ہے؟ جاہل ہٹ دھرم ہو سکتا ہے عاشق نہیں ہو سکتا اور بے یقین خبط الحواس ہو سکتا ہے عاقل نہیں، دراصل یہ تدریجی سفر ہے، نقطہ آغاز جہل اور عقل کا سنگم ہے، جہل کی سمت کو چھوڑ کر توفیق الٰہی کے سہارے عقل کی طرف سفر شروع ہوتا ہے، عقل کی طویل وادی ہے، اسی وادی میں وہم بھی ہے اور خیال بھی، قرآن نے جن شعراء کو "غاؤون" کہا، وہ اسی وہم و خیال کے بیچ بھٹکتے رہتے ہیں، اس سے آگے وہ منزل ہے جہاں عقل معلوم شدہ حقائق میں ترتیب و تفکیر کے بعد کسی حتمی نتیجہ تک پہنچتی ہے، یہ نتیجہ حاصل ہوتے ہی عقل مقام تیقن پر فائز ہو جاتی ہے اور یہی مقام عشق بھی ہے، اس تیقن کے بعد اگر طمانیت حاصل نہیں ہوئی اور عقل مسلسل چون و چرا کہتی رہی تو پھر وہ مقام عشق اور مقام تیقن سے نیچے گرتی ہے اور اس کے بعد کا جو مقام ہوتا ہے یہی "مقام لاادریت" ہے، اس مقام پر پہنچ کر انسان عاقل نہیں رہ جاتا بلکہ پریشان خاطری کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے پاس معلومات کا سمندر ہوتا ہے لیکن اس سمندر میں تموج اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی مقام متعین نہیں کر پاتا، وہ علم ہوتے ہوئے جاہل ہوتا ہے، وہ فضاؤں میں پرواز کر رہی وہ پتنگ ہوتا ہے جس کی ڈور کٹ گئی ہو، وہ ایک فلک بوس عمارت ہوتا ہے جس کے نیچے بلڈوزر چل گیا ہو، وہ خوب صورت کلی ہوتا ہے جسے شاخ شجر سے جدا کر دیا گیا ہو، اس کے پاس زرق برق کپڑے ہوتے ہیں لیکن انہیں زیب تن کرنے کے لیے صحت مند جسم نہیں ہوتا، اس کے پاس پیٹرول کا ٹینک ہوتا ہے لیکن کوئی گاڑی نہیں ہوتی اور وہ اپنی وسیع معلومات میں الجھا خود کو ایسا بے بس محسوس کرتا ہے گویا صیاد اپنے ہی دام میں آ گیا ہو۔

دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عقل کی تین منزلیں ہیں، منزل توہم، منزل یقین، منزل لاادریت، **خیر الأمور أوسطها** کے تحت عقل کی منزل کمال، منزل یقین ہے۔ جہل، عشق، انکار۔ شرک، ایمان، دہریت اور ناسمجھی، سمجھداری اور پاگل پن یہ اوصاف عقل کی انہی تین منزلوں کے مختلف نام ہو سکتے ہیں۔ عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ "امر اوسط" کو اپنایا جائے اور جادۂ اعتدال پر گامزن رہا جائے۔

میں نے کہا کہ جاہل ہٹ دھرم ہو سکتا ہے عاشق نہیں، یہاں غور کیجیے تو یہ عقدہ کھلے گا کہ جاہل کو اپنی جہالت پر اسی طرح یقین ہوتا ہے جس طرح عاشق کو اپنے عرفان کا یقین ہوتا ہے۔ جاہل کو اگر اپنی جہالت کا علم ہو جائے تو پھر وہ جاہل رہے گا ہی نہیں، یہ ایسے ہی جیسے خواب میں دولت بٹورنے والا حقیقت میں خود کو دولت مند سمجھتا ہے، وہ اسے کبھی خواب نہیں سمجھ سکتا، اگر اسے خواب سمجھ لے تو پھر وہ خواب میں رہا ہی نہیں وہ تو بیدار ہو گیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ہدایت و گمرہی منجانب اللہ ہے، **یہ انسان کی عاجزی کا مقام ہے، یہ وہ مقام ہے** جہاں اسے اپنے مالک کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور مالک سے توفیق کا طالب ہوتا ہے، یہی طلب توفیق ہی ہدایت کا پہلا زینہ ہے لیکن اس کو کیا کیجیے کہ بغیر فضل خداوندی یہ طلب بھی تو نہیں پیدا ہو سکتی۔ لیکن ہمارے اختیار میں یہ ضرور ہے کہ اگر ہمیں اپنی عاجزی کا ادراک ہو جائے تو فوراً ہی دست دعا دراز کر دیں اور عرض کریں کہ ساری حمد سارے جہان کے رب کے لیے ہے، جو بہت مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے، روز جزاء کا حاکم وہی ہے، خدایا ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان نیک بندوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام و اکرام کیا ہے اور ان کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب نازل ہوا یا جو تیری راہ سے برگشتہ ہو گئے۔ (آمین)

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن
فکر اگر جامد بود رو ذکر کن

ذیشان احمد مصباحی
۷/مئی ۲۰۰۸ء/۸/بجے شام

□□□

پیمائش

مبصر: ذیشان احمد مصباحی☆

نام کتاب: معاصر اسلامی تحریکات اور فکر اقبال

مصنف و ناشر: ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی، **صفحات:** ۲۸۸، **قیمت:** ۱۵۰/روپے، **سن اشاعت:** ۱۹۹۹ء

زیر اہتمام: تخلیق کار پبلشرز 104/B پاور منزل، آئی بلاک، لکشمی نگر، دہلی-۱۱۰۰۹۲

اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸ء) بیسویں صدی کی وہ واحد شخصیت ہیں جو پچھلی پوری صدی پر چھائے رہے، ہر بڑے سے بڑا ادیب، شاعر، مفکر، اسکالر، ان سے متاثر ہوا، ان کے خرمن فضل و کمال سے خوشہ چینی کی اور ہر شخص کی یہ کوشش رہی کہ اقبال کو اپنی فکر و نظر سے جوڑے، ہر مسلم جماعت نے اقبال کو اپنایا اور فخریہ طور سے ان کو اپنے رنگ میں پیش کیا- عجیب معمہ ہے کہ مقلد بھی انہیں اپنا کہیں، غیر مقلد بھی انہیں اپنا کہیں، سنی بھی انہیں اپنا کہیں اور دیو بندی بھی انہیں اپنا کہیں، حد تو یہ کہ قادیانی بھی انہیں اپنا کہیں؟ زیر نظر کتاب "معاصر اسلامی تحریکات اور فکر اقبال" کے مطالعہ سے بڑی حد تک یہ معمہ حل ہو جاتا ہے، چوں کہ یہ سوال کتاب کا موضوع نہیں ہے اس لیے مصنف محترم ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی نے اس پر کوئی بحث تو نہیں کی ہے، تاہم ضمنی طور سے کچھ باتیں ایسی آ گئی ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد آپ اس سوال کا جواب مل جاتا ہے- مثلاً صفحہ ۱۲۸ پر لکھتے ہیں:

"دراصل اقبال کا تعلق کسی ایک مذہبی فرقہ سے جوڑنا بہت مشکل ہے، وہ اپنے عقائد و نظریات میں مختلف خیالات و نظریات کا معجون مرکب تھے، وہ جب اہل بیت اطہار کا تذکرہ انتہائی عقیدت و محبت سے کرتے ہیں تو مائل بہ تشیع نظر آتے ہیں، خود بھی کہا ہے" ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا"- جب قادیانیت کی کارکردگی کو سراہتے اور قادیانیوں سے تعلقات استوار رکھتے ہیں تو قادیانیت کے حامی نظر آتے ہیں- جب تقلید سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں تو غیر مقلد معلوم ہوتے ہیں لیکن جب احادیث کے بارے میں شکوک و شبہات ظاہر کرتے اور اسلام کو تمام و کمال صرف قرآن میں ہی محصور سمجھتے ہیں تو اہل حدیث یا غیر مقلدوں کے بجائے اہل قرآن کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں- جب ابن عبد الوہاب نجدی اور ان کی تحریک کی انتہائی تعریف و توصیف کرتے ہیں تو وہابی معلوم ہوتے ہیں لیکن وہابیوں کے برعکس جب وہ مزارات اولیاء پر عقیدت و احترام کے ساتھ حاضری دیتے ہیں اور عشق رسول کا اظہار کرتے ہیں تو سنی حنفی یا بر صغیر کے "بریلوی" معلوم ہوتے ہیں- غرض یہ کہ ان کی وابستگی کسی ایک گروہ یا مکتب فکر سے نہیں تھی، وہ جن عقائد کو اچھا سمجھتے تھے انہیں اختیار کر لیتے تھے، اسی لیے ان کے یہاں تمام مکاتب فکر کی آمیزش نظر آتی ہے-"

فاروقی صاحب کا یہ حقیقت پسندانہ تبصرہ مجھ جیسے بہتوں کو چونکا دینے والا ہے، یہ تیکھا بھی ہے اور کاٹ دار بھی، اس اقتباس کو اس کتاب کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ پڑھ کر اقبال کے تعلق سے بہتوں کی عقیدت متزلزل ہونے لگے گی، میں یہاں پر اپنی طرف سے صرف اتنا اضافہ کرنا چاہوں گا کہ اقبال بنیادی طور پر عظمت اسلام اور شوکت مسلمین کے دل سے آرزو مند شخص تھے، اس کے لیے انہیں جہاں کہیں کسی طرح کی امید کی کوئی کرن نظر آئی ادھر وہ تیزی سے لپکے، ان کے خیالات میں برابر انقلابات ہوتے رہے، حتیٰ کہ آخر میں وہ اس مقام پر پہنچے:

"دینی معاملے میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے عقائد میں بعض جزوی مسائل کے سوا جو ارکان دین میں سے نہیں ہیں، سلف صالحین کا پیرو ہوں اور یہی راہ بعد کامل تحقیق کے محفوظ معلوم ہوتی ہے- جاوید کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ اسی راہ پر گامزن رہے اور اس بدقسمت ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی غلامی نے جو دینی عقائد کے نئے فرقے مختص کر لیے ہیں ان سے احتراز کرے- بعض فرقوں کی طرف لوگ محض اس واسطے سے مائل ہو جاتے ہیں کہ ان فرقوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے دنیوی فائدہ ہے- میرے خیال میں بڑا بد بخت ہے وہ انسان جو صحیح دینی عقائد کو مادی منافع کی خاطر قربان کر دے"- (جاوید کے نام وصیت اقبال کے مذہبی عقائد ص: ۱۰، از: ڈاکٹر محمود احمد ساقی)

فکر اقبال کو ہم ایک اور جہت سے دیکھتے ہیں، وہ یہ کہ وہ خذ ما صفا و دع ما کدر کے اصول پر عامل تھے، انہیں اچھائی جہاں کہیں نظر آئی اسے لے لیا اور جہاں برائی نظر آئی اس سے دامن بچا کر نکل گئے۔ اب یہ الگ سوال ہے کہ انہوں نے کن کن اچھائیوں کو لیا اور کن کن برائیوں سے احتراز کیا اور یہ کہ اپنے معیار پر جن خوبیوں کو انہوں نے اپنایا کیا وہ حقیقی معنوں میں خوبیاں ہی ہیں اور پھر یہ کہ کیا ان خوبیوں کو معیار بنا کر "اتحاد ملت" کا نعرہ بلند کیا جا سکتا ہے جو اقبال کا محبوب

ہے۔؟؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر اس کتاب کی ''تقدیم'' میں تفصیلی اظہار خیالات کیا جا سکتا تھا جو نہیں کیا گیا ہے۔ محترم فاروقی صاحب اگلی اشاعت میں یہ کام کر دیں تو ایک بڑی دینی، علمی اور ملی خدمت ہوگی۔

زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر جامع اور مکمل ہے، فاروقی صاحب نے آسان زبان، علمی اسلوب اور غیر جانب دارانہ طریق اظہار میں اپنی بات مکمل کی ہے، مطالعہ سے انداز ہوا کہ وہ بات کہنے کے ہنر سے واقف ہیں، کتاب میں کہیں بھی کسی طرح کی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا، ہر بات حوالوں سے مدلل کی ہے، یہ کتاب جہاں اقبالیات کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے وہیں انیسویں اور بیسویں صدی کے عالم اسلام کے سیاسی، سماجی، تحریکی اور فکری انقلابات کی تصویر اور دستاویز بھی ہے۔ نئی نسل جو مستقبل میں کچھ کرنا چاہتی ہے، دینی و علمی، دعوتی و اصلاحی اور سیاسی و سماجی سطح پر انقلاب لانے کا خواب دیکھ رہی ہے اسے لازم ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرے، اس مختصر کتاب میں انیسویں اور بیسویں صدی میں برپا ہونے والی ۱۰ر مذہبی تحریکوں اور ۱۳ر سیاسی اور تنظیمی تحریکوں کا مختصر مگر جامع، مدلل اور غیر جانب دارانہ تذکرہ ہے۔ انیسویں صدی کے بارے میں فاروقی صاحب کی اس بات سے بڑی حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ ''چشم فلک نے گذشتہ اٹھارہ صدیوں میں اس قدر انقلابات اور نت نئی تحریکات نہ دیکھی تھیں، جتنی اس ایک صدی کے حصے میں آئیں'' (حرف آغاز، ص:۹) پوری بیسویں صدی انہیں تحریکوں اور تنظیموں کی آگ میں جھلستی رہی ہے اور اب ہم جب کہ اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں اس میں کسی قابل قدر کام کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہمیں ان تحریکوں کا علم ہو۔ محترم ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی اس تصنیف میں ان تمام تحریکوں کو جمع کر دیا ہے، ساتھ ہی ان کے تعلق سے علامہ اقبال کی فکر بھی پیش کر دی ہے جس سے ہمیں بہتر رہنمائی ملتی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے دوران اقبال کے تعلق سے بہت سے حیرت انگیز انکشافات ہوئے، ان میں سب سے بڑا انکشاف یہ کہ اقبال جیسے مدبر، مفکر، قرآن فہم، حقیقت رسا اور روح اسلامی سے آشنا دانائے راز کو ۱۹۳۵ء تک قادیانیت کے تعلق سے تذبذب رہا، یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کے مرنے کے ۲۷ سال بعد تک اقبال قادیانیت کی سحر میں ڈوبے رہے اور اپنی وفات سے صرف ۳ر سال پہلے وہ اس سے باہر آئے اور اس کی تردید کو اپنا مشن بنایا۔ جبکہ قادیانی کی زندگی میں ہی پورا ملک اس کی یاوہ گوئیوں سے نالاں تھا اور ہر طرف رد و ابطال کا دور دورہ تھا، اقبال نے قادیانی طلسم اور پنجابی مسلمانوں کی سادگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ''پنجابی مسلمان'' کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے اس میں ایک شعر یہ بھی ہے:

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

ہمیں بے حد افسوس ہے کہ اقبال جیسا مرد دانا بھی اس ''پنجابی سادگی'' سے خود کو نہیں بچا سکا، وہ ۱۹۳۵ء تک سید سلیمان ندوی سے یہ دریافت کرتا رہا کہ کیا اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قابل تعزیر جرم ہے اور کیا مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جزوی فضیلت دینا اہانت رسول کے دائرے میں آتا ہے؟ ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی صاحب نے اس پر بڑا اچھوتا ریمارک کیا ہے، لکھتے ہیں: ''اس کا فیصلہ تو ایک عامی اور معمولی استعداد کا شخص بھی کر سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ اقبال کو، جن کی علمیت اور عشق رسول کو مسلمہ قرار دیا جاتا ہے، ایسے سوالات کے لیے ایک عالم سے رجوع کرنا پڑا۔'' (ص:۸۰)

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی صاحب کی یہ کاوش دراصل ۱۹۸۸ء میں علی گڑھ میں لکھا گیا ایم فل کا مقالہ ہے، شروع میں یہ صرف تیرہ تحریکوں پر مشتمل تھا بعد میں انہوں نے اور اضافے کیے اور انیسویں اور بیسویں صدی کی تقریباً تمام بڑی تحریکوں کو شامل کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کوشش میں انہوں نے کچھ ایسی تحریکوں کو بھی شامل کر لیا ہے جن سے اقبال کا تعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ یا تو اقبال کے عہد میں اٹھیں یا پھر یہ کہ مصنف کے مطابق فکر اقبال کو ان سے کسی طرح کا رشتہ ضرور ہے۔ تحریک ندوۃ العلماء، تحریک نظم جماعت و امامت اور تحریک ہجرت وغیرہ کچھ اسی قسم کی تحریکیں ہیں۔ ان تحریکات کی فہرست میں میری نگاہیں تحریک پاکستان کو بھی تلاش کرتی رہیں لیکن آخر مایوسی ہاتھ آئی۔

محترم فاروقی صاحب کی یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنو، حکومت اتر پردیش کے جزوی تعاون سے معیاری کمپوزنگ، تزئین، کاغذ اور سرورق کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں صرف ۴ر سو کی تعداد میں شائع ہوئی ہے۔ معلوم نہیں اس کتاب کی مزید اشاعتیں سامنے آئیں یا نہیں، ویسے یہ کتاب اس بات کی مستحق ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ عام ہو اور اصحاب علم و ادب اور طالبان مدارس و جامعات کی میز کی زینت بنے۔ □□

دینی، ملی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں

دیوگاؤں-اعظم گڑھ میں عرس چہلم اختتام پذیر

۹ راپریل ۲۰۰۸ء بروز بدھ بعد نماز عشاء حضرت مولانا محمد نعمان خاں قادری علیہ الرحمہ کا عرس چہلم تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا، ملک کے اکابر علمائے کرام وشعرائے عظام نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا، بالخصوص الجامعۃ الاسلامیہ روناہی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے آئے ہوئے معزز علمائے کرام نے مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی- حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب نے جلسہ کی سرپرستی اور مفتی شبیر حسن رضوی صاحب نے صدارت فرمائی- جبکہ نظامت کے فرائض مفتی معراج احمد مصباحی نے انجام دیے اورانہوں نے صاحب عرس کے تقوی، تصلب فی الدین اوراخلاق حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''مجھے حضرت کی شاگردی اور مصاحبت کا شرف حاصل رہا، مجھے حضرت کے تعلق سے کافی کچھ معلومات ہے، موصوف نماز کے اتنے پابند تھے کہ ہمیشہ مسجد میں مؤذن کے آنے سے پہلے آجاتے تھے، ہمیشہ سارے طلبہ کو بیٹے کی طرح جگاتے اوران کو مسجد لے جاتے تھے، حضرت کی تکبیر تحریمہ کبھی نہ چھوٹی، حضرت ہمارے لیے مشعل راہ تھے، برسوں ان کی کمی محسوس کی جائے گی''-

سرپرست جلسہ مولانا محمد احمد مصباحی پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے کہا کہ موصوف ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء'' کے حقیقی حامل تھے، ہمیں ان کے بتائے ہوئے راستے کو اپنانا چاہیے اوران کی کارکردگیوں کو نمایاں حیثیت دینی چاہیے-ہماری جماعت حضرت کے کارناموں کو فراموش نہیں کرسکتی- پھر صدر جلسہ مفتی شبیر حسن رضوی نے ایک مختصر مگر مدلل تقریر فرمائی اور کہا کہ مولانا نعمان قادری مرحوم اور فقیر دونوں نے ایک ساتھ ۲۸ رسالہ زندگی الجامعۃ الاسلامیہ میں گزاری، میں نے ان کا خلوت بھی دیکھا اور جلوت بھی، حضرت ہمیشہ مدرسہ کے کام میں مصروف رہا کرتے تھے، اپنی قیمتی زندگی کا ایک ایک لمحہ مدرسہ کے لیے وقف کیے رکھا، حضرت باوفا صدر المدرسین تھے-۳۰ رسال تک الجامعۃ الاسلامیہ میں صدارتی فرائض انجام دیتے رہے، اخیر عمر میں جامعہ حنفیہ بستی پڑھانے کے لیے گئے، تقریباً دوسال کے بعد وہیں اللہ کو پیارے ہوگئے انا اللہ و انا الیہ راجعون-

اسی طرح متعدد علمائے کرام بالخصوص' ماہنامہ اشرفیہ'' کے ایڈیٹر مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا شاکر علی عزیزی، مولانا کمال اختر رضوی وغیرہ نے تقریریں کیں، اور متعدد شعراء وطلباء بالخصوص مولانا امتیاز حسین اور راقم نے بھی حضرت کی شان میں منقبتیں پڑھیں-

جلسہ کے بعد قل شریف کا پروگرام شروع ہوا، مولانا نعمان صاحب کے صاحبزادے مولانا نوخیز انوار نے قل شریف کا آغاز کیا پھر قل شریف کا پروگرام مفتی صاحب قبلہ کی دعا پر اختتام پذیر ہوا-

رپورٹ : ________ محمد انس، ذاکر نگر، نئی دہلی

لدھیانہ میں جلوس محمدی ﷺ کا انعقاد

مورخہ ۲۹ رمارچ ۲۰۰۸ء بروز بدھ صوبہ پنجاب کے صنعتی شہر لدھیانہ میں جلوس محمدی کا اہتمام بڑے تزک واحتشام کے ساتھ کیا گیا-شہر کے مختلف مقامات سے جلوس محمدی مرکزی سنی نوری جامع مسجد شیوپوری میں جمع ہوئے، جہاں سے اجتماعی شکل میں جلوس محمدی کا کارواں اپنی مکمل شان وشوکت کے ساتھ قاضی اہل سنت لدھیانہ صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ صوبہ پنجاب مفتی محمد رضا مصباحی کی صدارت اور دیگر علمائے اہل سنت لدھیانہ کی قیادت میں شہر کے مختلف شاہراہوں سے نعرۂ تکبیر ورسالت اور نعت وسلام کی نورانی چھاؤں میں گشت کرتے ہوئے بستی جودھے وال راہوں روڈ پر پہنچا جہاں خواجہ غریب نواز مسجد کے ارکان نے جلوس کا پرتپاک خیر مقدم کیا، پھر حضرت مولانا احسن الہدیٰ مصباحی خطیب خواجہ غریب نواز مسجد کی مختصر اور جامع تقریر کے بعد جملہ علمائے اہل سنت لدھیانہ کو مرکزی سنی نوری جامع مسجد کی طرف سے قاضی اہل سنت کے بدست جوڑے دیے گئے، بعدہ صلوۃ وسلام اور دعاء پر کامیابی کے ساتھ جلوس کا اختتام ہوا-

رپورٹ: ________ ماسٹر محمد نصر اللہ رضوی، لدھیانہ

مدرسہ ضیاء الاسلام کا تعلیمی افتتاح

مورخہ ۲۰ / مارچ ۲۰۰۸ء کو مدرسہ ضیاء الاسلام مہربان لدھیانہ میں تعلیمی افتتاح کے موقعہ پر ایک جشن کا اہتمام کیا گیا جس کی سرپرستی بانی ادارہ مولانا محمد شمس الحق مشاہدی اور صدارت مولانا محمد احسن الہدیٰ مصباحی نے فرمائی جبکہ مقرر خصوصی کے طور پر حضرت مولانا محمد خورشید عالم مصباحی و حضرت مولانا محمد ناصر رضا و حضرت مولانا محمد صابر رضا رہبر مصباحی صاحبان موجود تھے۔

مولانا صابر رضا رہبر مصباحی نے اپنے خطاب میں کہا کہ آج کا یہ جشن پنجاب کے مسلمانوں کا اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کا عندیہ ہے آج سے ساٹھ سال پہلے پنجاب میں اسلام اور تعلیمات اسلام کا پھریرا جس شان و شوکت کے ساتھ لہرا رہا تھا اگر اس طرح آپ لوگوں کی جدوجہد جاری رہی تو ان شاء اللہ ہم تاریخ کا پانسہ پھر پلٹ سکتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو تعلیم پر ابھارتے ہوئے کہا کہ کسی بھی قوم کی ترقی وتنزلی کا انحصار اس کے افراد پر ہوتا ہے، اس میں تعلیم یافتہ افراد کی تعداد جس کثرت سے ہوتی ہے اس کی ترقی کا معیار اتنا ہی اونچا ہوتا ہے۔ پھر مولانا ناصر رضا نے سیرت النبی کے موضوع پر پر مغز خطاب فرمایا مولانا محمد خورشید عالم مصباحی نے کہا کہ ہمیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات مبارکہ سے جینے کا سبق سیکھنا چاہیے۔ پھر صلوٰۃ وسلام کے بعد مولانا محمد شمس الحق بانی مدرسہ کی رقت انگیز دعا پر جشن کا اختتام ہوا۔ اس میں ہزاروں افراد کے علاوہ سکریٹری محمد سلیمان رضوی، وصدر ماسٹر محمد شمس الدین قادری فیشن، ومحمد حسین رضا ہوزری اور مدرسہ کے سرگرم رکن محمد اسرائیل، ڈاکٹر محمد ہاشم، محمد سراج، صدر مجددی مسجد صاحبان خصوصیت کے ساتھ شریک تھے۔

رپورٹ: ——— ضیاء الدین علائی، لدھیانہ (پنجاب)

مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ میں جلسۂ دستار بندی

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے مخلص معاصر و رفیق کار قدوۃ العلماء حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہا النورانی (متوفی ۱۳۳۳ھ-۱۹۱۵ء) کی عظیم روحانی وعلمی یادگار اور مشرقی بہار کی قدیم ترین و مرکزی درسگاہ مدرسہ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی، کٹیہار، بہار میں ۲۷ / اپریل ۲۰۰۸ء بروز اتوار ایک عظیم الشان وباوقار جلسہ دستار بندی منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے طول وعرض سے مشاہیر وقت اور ارباب علم وفضل شریک ہوئے۔ حضرت مولانا حافظ ہاشم نعیمی شیخ المعقولات جامعہ نعیمیہ مرادآباد، یوپی، حضرت مولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ فقہ وشعبہ تحقیق جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو، یوپی، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ واستاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، حضرت مولانا حسن رضا خان پی-ایچ-ڈی ڈائرکٹر عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ پٹنہ، مولانا قمر احمد اشرفی مصباحی خطیب وامام جامع مسجد بلیک برن انگلینڈ خصوصیت کے ساتھ شریک ہوئے۔ بعد نماز عشاء حافظ وقاری اقبال رضوی فیضی صدر شعبہ حفظ وقرآن مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ کی تلاوت کلام پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ پھر ناظم جلسہ مولانا مفتی نوشاد عالم رضوی مصباحی رئیس المعلمین مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ نے مولانا عسجد رضا مصباحی بنارس کو نعت خوانی کی دعوت دی۔ بعدہٗ پروگرام کا کارواں رواں دواں ہوا جو پورے رنگ وآہنگ کے ساتھ طلوع فجر تک چلتا رہا۔ حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی سب سے پہلے رونق محفل ہوئے اور اصلاح معاشرہ پر شاندار خطاب کرتے ہوئے بڑے ناصحانہ و پرسوز کلمات ارشاد فرمائے۔ پھر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی باری آئی، آپ نے ایمان کے تحفظ وبقا کے لیے عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضرورت واہمیت پر بڑی پر مغز ونکات آفریں تقریر فرمائی۔ فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار اور مذہبی ادب کی مشکل زمین پر مبنی ہونے کے باوجود تقریر حد درجہ پسند کی گئی۔ پھر یکے کے دیگرے حضرت مولانا قمر احمد اشرفی مصباحی اور حضرت مولانا حسن رضا خان نے اپنے اپنے گرانقدر بیانات وخطابات سے سامعین کو محظوظ ومستفید فرمایا۔ اخیر میں حضرت مولانا ہاشم نعیمی صاحب قبلہ نے ممبر خطابت کو زینت بخشی اور ماہ رواں ربیع الثانی کی مناسبت سے حضور سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب پر بھرپور خطاب فرمایا۔ صلوٰۃ وسلام اور حضرت مفتی نیر عالم نعیمی لطیفی مفتی دارالافتاء خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور کی رقت انگیز دعا پر یہ جلسہ بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ حضرت مولانا محبوب عالم وحیدی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ اعظم نگر، کٹیہار نے حسب دستور اس جلسے کو بھی اپنے حسن انتظام وبہترین تدبر سے ایک یادگار بنا دیا۔

رپورٹ: شعبہ نشرواشاعت مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور، کٹیہار (بہار)

تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ضلع کٹیہار بہار کی کامیاب تشکیل

ضلع کٹیہار میں تنظیم کی شاخ کے قیام کے حوالے سے ایک باوقار عظیم الشان مجلس کے انعقاد کی خاطر مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ کے مدرسین و ذمہ داران نے دعوت ناموں کے ذریعے ضلعی پیمانے پر خاصی تعداد میں مصباحی اخوان اور دیگر علماء و فضلا کے ساتھ ساتھ اسلامی مزاج کے عصری تعلیم یافتگان و دانشوران کو بھی بڑے اہتمام سے مدعو کیا- ۲۷/اپریل ۲۰۰۸ء بروز اتوار بعد نماز مغرب حفیظ منزل باحاطہ مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ کے وسیع ہال میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ مجلس منعقد ہوئی- تلاوت کلام الٰہی سے مجلس کا آغاز ہوا، مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی نے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے محمد معروف عالم متعلم مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ کو نعت خوانی کی دعوت دی- نعت خوانی کی مبارک رسم کے بعد مجلس کی کارروائی رواں دواں ہوئی اور مولانا نوشاد عالم رضوی مصباحی، مولانا فاروق عالم مصباحی، مولانا ہارون رشید مصباحی، مولانا مجیب الرحمٰن رضوی مصباحی کو ضلع کٹیہار میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام و تاسیس اور فروغ کی ضرورت و افادیت پر اظہار خیال کی زحمت دی گئی- بعدہ مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی نے اپنے نپے تلے الفاظ میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے حوالے سے کچھ دیر خطاب کیا- پھر حضرت مولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ فقہ وافتاء جامعہ امجدیہ گھوسی مئو رونق مجلس ہوئے- آپ نے کٹیہار کے تابندہ ماضی کے رخ سے بصیرت افروز و معلوماتی گفتگو فرمائی پھر حال کے افسوسناک منظر نامے پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں کے غیر مربوط و بے اثر دعوتی و تبلیغی عمل اور ابتر سماجی و اخلاقی صورت حال کے تناظر میں تنظیم کے قیام و ترقی کو ناگزیر تقاضا بتایا- اخیر میں صدر مجلس حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کو دعوت سخن دی گئی- آپ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد تنظیم کی تعریف و توضیح پر فاضلانہ کلام فرماتے ہوئے عالمی تاریخ کی روشنی میں تنظیم کی ضرورت و اہمیت اور معنویت و افادیت پر چشم کشا روشنی ڈالی پھر تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام و بنا کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے اغراض و مقاصد کو بھی واضح انداز میں بیان فرمایا- آپ نے فرزندان اشرفیہ سے اپیل کی کہ اگر آپ اخلاص وایثار کے جذبات بیکراں کے ساتھ کاروان تنظیم کا ساتھ دیں تو ہم تمامی مل کر ملکی و بین الاقوامی سطح پر مسلم امہ کے ہر کرب و اضطراب کا مداوا کر سکیں گے- سلسلہ خطاب کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے آگے فرمایا کہ تنظیم ابنائے اشرفیہ صرف فضلائے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ہی کی تنظیم نہیں ہے بلکہ جہان سنیت کے ہر سنی مدرسہ و خانقاہ اور ادارہ کے وابستگان و فیض یافتگان کا اپنا ایسا مضبوط و منضبط اور فعال و پرعزم آرگن ہے کہ جس سے ہم مستقبل کے اندر ہر سطح پر انقلاب بپا کر سکتے ہیں- اختتام تقریر کے بعد حضرت مدظلہ نے تنظیم کی ضلعی تشکیل کو عملی جامہ پہناتے ہوئے علماء و فضلا اور صاحبان فکر و نظر کی جماعت کو تنظیم کے عہدے داران و ممبران کے انتخاب کی مخلصانہ دعوت دی- بہت سنجیدہ ماحول میں سبھوں نے غور و خوض کیا اور اتفاق رائے سے عہدوں کے لیے چنا گیا-

رپورٹ: شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور، کٹیہار (بہار)

عرس نسیم ملت و دستار بندی

۲۹/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۷/اپریل ۲۰۰۸ء بروز دو شنبہ حسب روایت سابق امسال بھی مدرسہ اہل سنت رضویہ یار علویہ انوار الاسلام قصبہ سکندر پور بستی میں ایک روزہ عظیم الشان عرس نسیم ملت و جشن دستار بندی کا روح پرور اجلاس منعقد ہوا- بعد نماز عشاء پروگرام کا آغاز حضرت قاری فاروق رضا کی تلاوت کلام پاک سے ہوا- حضرت قاری اشفاق احمد بستوی بیرا گل- حضرت علامہ مفتی سلطان رضا نوری بہرائچی، حضرت علامہ ہاشم اشرفی کانپوری کے ایمان افروز بیانات ہوئے- ظفر جلال پوری، حیرت گونڈوی، جمال منکا پوری، اسلم گونڈوی، فہم بستوی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیے- ۱۲/بج کر ۱۵/منٹ پر قل شریف و فاتحہ خوانی ہوئی بعدہ دستار بندی کی رسم ادا کی گئی اور مہتمم عرس و جلسہ شہزادہ نسیم ملت حضرت علامہ حافظ و قاری محمد طاہر القادری کلیم فیضی بستوی کی تصنیف کردہ کتاب فضائل وضو کا اجراء علامہ سید قمر شاہجہان پوری اور حضرت مولانا مفتی ابرار احمد امجدی کے ہاتھوں ہوا- سیکڑوں علماء و طلبہ کثیر تعداد میں شریک ہوئے- تین بجے شب میں صلوٰۃ و سلام و دعا خوانی پر پروگرام اختتام پذیر ہوا، جلسے کی صدارت علامہ قمر شاہجہانپوری قاضی شہر کانپور نے اور نظامت کے فرائض مولنا عبد السلام و حافظ شاہد رضا نے مشترکہ طور پر انجام دیے-

رپورٹ: ناظم نشر و اشاعت مدرسہ انوار الاسلام، سکندر پور، بستی (یوپی)

منظومات

○

سرور کونین کی ہے ذات ہی سب سے جدا
مدحت سرکار کی ہر بات ہی سب سے جدا
بارش انوار احمد ﷺ ہے کہ بارانِ کرم
رحمت داور کی ہے برسات ہی سب سے جدا
رشک گل زار جناں ہے صحن گل زارِ رسول
ہیں درِ اقدس کے یہ ذرآت ہی سب سے جدا
موسم گل ہے یہاں اک دائمی فصل بہار
گلشن طیبہ کے ہیں دن رات ہی سب سے جدا
ہے کلیم اللہ کی شان نزول اک معجزہ
کیوں کہ ہیں قرآن کی آیات ہی سب سے جدا
حاصل غار حرا تقسیم ہوتا ہے یہاں
مصطفیٰ کے در کی خیرات ہی سب سے جدا
عازمین حج کی بالیدہ نگاہی کی قسم
زائر طیبہ کے ہیں جذبات ہی سب سے جدا
مرکز رشد وہدایت ہے دیار مصطفیٰ
ملتی ہے عرفان کی سوغات ہی سب سے جدا
وادی صدق و صفا کی سیر کرتا ہے شعور
مدح مولیٰ کے ہیں امکانات ہی سب سے جدا
اہل حق پر منکشف ہے راز فیضان رسول
روضۂ اقدس کی ہیں برکات ہی سب سے جدا
آیت تطہیر والوں کا کرم ہے ناز پر
نعت گوئی کے ہیں عنوانات ہی سب سے جدا

○

سجی ہے بزم جہاں فخر دو جہاں کے لیے
شعاع مصحف رخ ہے چراغ جاں کے لیے
درود لب پہ ہے مقصود کن فکاں کے لیے
سلام وردِ زباں ہے، نشاط جاں کے لیے
ملا ہے ذوق ثنا عرش آشیاں کے لیے
ہے شوق نعت شہنشاہ بے کساں کے لیے
نبی کی مدح میں اشعار لکھ رہا ہوں میں
زبان پاک ہو اوصاف کے بیاں کے لیے
تمام رفعت افلاک بس رسول سے ہے
نبی کا نور نہیں، چشم بدگماں کے لیے
مکین گنبد خضرا کا فیض جاری ہے
لبوں پہ موج تبسم ہے گلستاں کے لیے
رخ حضور پہ سجدہ کناں ہے فصل بہار
شمیم زلف رسا ہے مشام جاں کے لیے
رسول پاک کا صدقہ ہیں مہر و ماہ و نجوم
ضیائے نقش کف پا ہے کہکشاں کے لیے
ہماری جانیں فدا ہوں، جمالِ اقدس پر
حیات پاک ہے کردار ضوفشاں کے لیے
قرار مل نہ سکے گا جو دور اُن سے رہوں
نظر ملی ہے فقط ان کے آستاں کے لیے
نبی کے ہجر میں ہے اضطراب کا عالم
بس ایک چشم کرم ناز خستہ جاں کے لیے

پروفیسر ناز قادری
پروفیسرز کوارٹرس، ایل ایس کالج کیمپس، مظفر پور (بہار)

اے عاشقو! چلو کوئی کارِ ہنر کریں
نعت نبی پاک سے تازہ جگر کریں

لب پر جلا کے نغمہ توصیف کا چراغ
قسمت کی شب کو اپنی مصفّٰی سحر کریں

منہ پر در رسول کی اپنے لگا کے خاک
اپنی مدح کے واسطے شمس و قمر کریں

جھیلیں مہک کی ٹوٹ کر گلیوں میں بہہ پڑیں
وہ تاجدار مشک ختن رخ جدھر کریں

روز قیام کاش شہ دیں کے روبرو
ہم ان کو ان کی نعت کا تحفہ نذر کریں

مختار کائنات کا پہلے بنیں غلام
پھر آپ اپنی مٹھی میں سب بحر و بر کریں

سر پر ہمارے بار معاصی کا ہے مگر
ٹکڑے سے تو یہاں کے پلے رُخ کدھر کریں

عشق نبی کے آب سے دل کا وضو کریں
پھر جانب مدینہ طیبہ سفر کریں

مشتاق ریزہ خوار ہے دربار کا حضور
بخشش کے آستاں سے نہ اس کو بدر کریں

مشتاق احمد قادری عزیزی
استاذ جامعہ اہل سنت صادق العلوم، ناسک (مہاراشٹر)

غم نہیں جاتی ہے جائے ساری دنیا چھوڑ کر
پر نہ جائے یاد آقا مجھ کو تنہا چھوڑ کر

تھا شب اسریٰ بھی ان کو کتنا امت کا خیال
میرے آقا آ گئے عرش معلّٰی چھوڑ کر

جب مطاف جاں میں گونجا نعرہ صل علیٰ
کعبہ دل سے گئے بت اپنا قبضہ چھوڑ کر

آنے والے سب زمانوں کی ہدایت کے لیے
وہ گئے ہیں اپنی تعلیمات و اسوہ چھوڑ کر

ہر قدم پر رہبری کی اسوۂ سرکار نے
روشنی یہ کب گئی ہے ساتھ میرا چھوڑ کر

ہے سوا ارض حرم سے خاک طیبہ کا شرف
جس کو آقا نے بسایا ارض بطحا چھوڑ کر

ان کے آنے سے وہ صحرا گلشن شاداب ہے
سارے دریا بہہ رہے تھے جس کو تشنہ چھوڑ کر

قریۂ یاد نبی میں ہوں مکیں اک عمر سے
میں نہ جاؤں گا کہیں اب یہ ٹھکانہ چھوڑ کر

میرے آقا پھر مجھے اذن حضوری ہو نصیب
آ گیا باب کرم پر یہ عریضہ چھوڑ کر

کس قدر مشکل ہے میں نے آج یہ جانا صبیح
نعت کہنا اور وہ بھی اپنا لہجہ چھوڑ کر

سید صبیح الدین صبیح رحمانی
مدیر: ''نعت رنگ'' کراچی (پاکستان)

مکتبہ جام نور دہلی کی مطبوعات

اسمائے کتب	قیمت
قلم کی جسارت	100/-
نوائے قلم	40/-
احقاق حق	60/-
فتاوی نعیمیہ	70/-
تحفۂ شادی	65/-
سفر آخرت	15/-
تحفۂ دلہن	65/-
خواتین کے لیے بارہ تقریریں	110/-
آٹھ صد سالہ پیش گوئی	25/-
حضرت اویس قرنی	25/-
امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں	20/-
شخصیات (علامہ ارشد القادری) علیہ الرحمہ	70/-
بزبان حکایت	60/-
حدیث، فقہ اور جہاد کی شرعی حیثیت	55/-
کشف الاسرار	15/-
خطبات غوث اعظم	100/-
بہجۃ الاسرار	70-00
دین مصطفی	120-00
جاء الحق	120-00
بارہ ماہ کے فضائل	130-00
سنی بہشتی زیور	100-00
شمع شبستان رضا	100-00
سچا خواب نامہ	90-00
تذکرۃ الاولیاء	90-00
ارشادات غوث الاعظم	70-00
خاک کربلا	60-00
شام کربلا	75-00

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی تصانیف

نام	قیمت
زیر و زبر	70-00
زلزلہ	50-00
لالہ زار	70-00
انوار احمدی	40-00
تبلیغی جماعت	50-00
جماعت اسلامی	25-00
نقش کربلا	25-00
نقش کربلا	25-00
مصباح القرآن (اول)	15-00
مصباح القرآن (دوم)	12-00
مصباح القرآن (سوم)	30-00
تعزیرات قلم	30-00
دعوت انصاف	15-00
شریعت	15-00
نقش خاتم	10-00
جلوۂ حق	10-00
محمد رسول اللہ قرآن میں	10-00
دل کی مراد	10-00
دور حاضر میں منکرین رسالت	10-00
آیئے حج کریں	8-00
ایک سفر دہلی سے سہارنپور تک	7-00
فن تفسیر میں امام احمد رضا	6-00
سرکار کا جسم بے سایہ	7-00
لسان الفردوس	5-00
روداد مناظرہ	5-00
علم غیب	6-00
ایک ولولہ انگیز تقریر	6-00
رسالت محمدی کا عقلی ثبوت	6-00

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف کا تاریخ ساز اقدام

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے اکابر آستانہ قادریہ اور علمائے مدرسہ قادریہ بدایوں کی گراں قدر تصنیفات کو جدید انداز میں منظر عام پر لانے کے لیے تین سالہ منصوبہ تیار کیا ہے۔ جس کے تحت دسمبر ۲۰۱۰ء تک ۵۰ کتب و رسائل شائع کرنے کا پلان ہے۔ منصوبہ کے پہلے مرحلے میں ۱۶ محرم ۱۴۲۹ھ، ۲۵ جنوری ۲۰۰۸ء کو عرس قادری (بدایوں شریف) کے مبارک موقع پر مندرجہ ذیل کتابوں کا اجراء علما و مشائخ کے مبارک ہاتھوں سے عمل میں آیا۔

عقیدۂ شفاعت کتاب و سنت کی روشنی میں

سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی — تسہیل، تخریج، تحقیق: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة

تاج الفحول مولانا عبد القادر قادری بدایونی — ترجمہ، تخریج، تحقیق: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول)

مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی — تسہیل و ترتیب: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

القول السدید (عرس کی شرعی حیثیت)

مولانا حکیم محمد عبد الماجد قادری بدایونی — تخریج و تحقیق: مولانا غلام نبی رضا قادری بدایونی

تصحیح العقائد (عقائد اہل سنت)

حضرت مولانا محمد عبد الحامد قادری بدایونی — تخریج و تحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری

البناء المتین فی احکام قبور المسلمین

حضرت مفتی ابراہیم قادری بدایونی — تخریج و تحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری

تذکار محبوب

مولانا عبد الرحیم قادری بدایونی

مدینے میں (مجموعۂ کلام)

شیخ طریقت حضرت عبد الحمید محمد سالم القادری زیب سجادہ آستانہ قادریہ، بدایوں شریف

مولانا فیض احمد بدایونی

پروفیسر محمد ایوب قادری — تقدیم و ترتیب: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

اسلام، جہاد اور دہشت گردی

(اردو، ہندی، انگلش) مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

مولانا فیض احمد بدایونی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (ہندی)

تنویر احمد قادری بدایونی

ناشر: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں — تقسیم کار: مکتبہ جام نور دہلی

Registered with the Registrar of Newspapers for India No. DELURD/2002/8231 DL(DG)-11/8049/06-08

MILLAT KA TARJAMAN JAAM-E-NOOR, Monthly

422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

Vol.: 6 Issue: 68 June 2008

Printed Published & Owned by Ghulam Rabbani, Printed at : Star Offset Printing Press, 2229/A, Ahata Hajjan Bi, Rodgaran, Lal Kuan, Delhi-6 & Published at 422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6

Editor : Khushtar Noorani

Designed by Kausar Samnani Delhi-6 Ph.: 011-23281418